Reg: PCPB/458-S
NPR-295

صوت النجف

لسماحۃ آیۃ اللہ العظمیٰ المرجع الدینی الکبیر الشیخ بشیر حسین النجفی دام ظلہ الوارف

ماہانامہ علمی سماجی ماہِ صفر المظفر ۱۴۴۰ھ شمارہ ۶۲

5 چہلمِ امام حسین علیہ السّلام (قسط ۲)

7 دوسروں کو معاف کر دینا

9 اے حرؑ تجھے جنت کی بشارت ہو

11 صحابی امیر المؤمنین علیہ السلام محمد ابن ابی بکر

14 سیرت امام زین العابدین کی روشنی میں دعاء کی اہمیت و آداب

17 آفاق ذریعہ ' معرفت

20 مرجع عالی قدر دام ظلہ سے پوچھے گئے سوالات اور ان کے جوابات

بانی

سماحۃ آیۃ اللہ العظمی المرجع الدینی الکبیر الشیخ بشیر حسین النجفی

مدیر اعلیٰ

جناب نصیر الدین

نائب مدیر اعلیٰ

حجۃ الاسلام والمسلمین علامہ علی النجفی

انتظامی مدیر

مولانا قیصر عباس

معاونین:

مولانا سید محمد علی ہمدانی

مولانا محمد مجتبیٰ نجفی

مولانا محمد تقی ہاشمی

فوٹو گرافر

سید محمد حسین

رسالے کی سالانہ ممبر شپ حاصل کرنے کے لئے اس نمبر پر رابطہ کریں۔

00923125197082

اپنی تجاویز دینے کے لئے ہمیں ای میل کریں۔

Email:m.urdu@alnajafy.com

009647807363942

صوت النجف کو مقالات و تحریروں میں تدوین و ترمیم کا مکمل اختیار ہے ۔

سماحة آية الله العظمى المرجع الديني الكبير

الشيخ بشير حسين النجفي

دام ظله الوارف

کی

نصیحت

مؤمن کے حقوق

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم   بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ و السلام علی اشرف المبعوثین محمد و آلہ المعصومینؑ واللعنۃ الدائمۃ علی اعدائھم اجمعین الی یوم الدین:

قال اللہ سبحانہ: وَ الْمُؤْمِنُونَ وَ الْمُؤْمِناتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِياءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَر

اور مؤمن مرد اور مؤمنہ عورتیں ایک دوسرے کے لئے مددگار ہیں، وہ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں۔(سورہ توبہ ۷۱)

مؤمن کے حقوق میں سے دسویں حق کے بارے میں گفتگو جاری تھی :

دسواں حق: وَ يَشْهَدُ مَيِّتَه

مؤمن پر حق ہے کہ اگر کوئی مؤمن مر رہا ہو یا مر چکا ہو تو اس سے متعلقہ واجباتِ شرعیہ اور مستحبات شرعیہ کو بجالانے کے لئے مؤمن کی میت کے پاس پہنچے۔

مؤمن کی میت کو دفن کرنے کے بارے میں

اور جب اس قبر کو اینٹوں سے بند کرنا شروع کریں تو یہ دعا پڑھیں:

اللَّهُمَّ صِلْ وَحْدَتَهُ وَ آنِسْ وَحْشَتَهُ وَ أَسْكِنْ إِلَيْهِ مِنْ رَحْمَتِكَ رَحْمَةً تُغْنِيهِ عَنْ رَحْمَةِ مَنْ سِوَاكَ-

ترجمہ:اےخدا! اس کی تنہائی کو اپنی رحمت کی آغوش میں لیکر اس کی گھبراہٹ ، اس کی اداسی اور درد و ہیبت کو مانوسی سے بدل دے اور اپنی شفقت و رحمت سے اس طرح نواز کہ وہ تیرے علاوہ ہر کسی کی رحمت سے بے نیاز ہو جائے۔

اور جب قبر سے نکلیں تو یہ کہیں:

إِنَّا لِلَّهِ وَ إِنَّا إِلَيْهِ راجِعُونَ وَ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ اللَّهُمَّ ارْفَعْ دَرَجَتَهُ فِي أَعْلَى عِلِّيِّينَ وَ اخْلُفْ عَلَى عَقِبِهِ فِي الْغَابِرِينَ (وَ عِنْدَكَ نَحْتَسِبُهُ) يَا رَبَّ الْعَالَمِينَ.

ترجمہ:ہم سب اللہ کی بندگی کےلئے ہیں اور تعریفیں صرف اس اللہ کےلئے ہیں کہ جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے ، اے خدا ! اس کو جنت کے باشرف اور عظیم مقام میں بلند درجہ عطا فرما اور اس کے پسماندگان کو اپنی حمایت و عنایت اور رعایت میں قرار دے اور اے تمام جہانوں کے پروردگار ہم اس کو تیرے سپرد کرتے ہیں۔

نوٹ:اس کے علاوہ بھی بہت ساری دعائیں معصومین علیھم السلام سے نقل کی گئی ہیں لیکن ہم نے اختصار کو اپنایا ہے۔

جب میت کو دفن کر دیں اور قبر پر پانی بھی چھڑک دیں تو انسان اپنی ہتھیلی کو انگلیاں کھول کر قبر کے سرہانے کی طرف قبر پر رکھے اور کوشش کرے کہ انگلیاں مٹی کے اندر چلی جائیں اور میت کی مغفرت کےلئے دعا کرے اور کھڑے ہوکر قبر کے قریب سورہ انا انزلناہ سات۷ دفعہ

اور ایک دفعہ آیت الکرسی پڑھے اور اس کا ثواب میت کو ہدیہ کرے ۔

میت کے ورثاء کو تعزیت پیش کرنا بہت ضروری ہے اوراس میں بہت زیادہ ثواب ہے جو ایسا کرے گا تو روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جس نے کسی مؤمن کو تعزیت پیش کی تو قیامت کے دن خداوندِ عالم اسے حلہ (بڑی قیمتی چادر) عطا کرے گا۔

اور مزید فرمایا:

تعزیت کرنے والے کو وہی اجر ملے گا جو صاحب مصیبت کو مصیبت پر ملتا ہے۔

مؤمنین کی قبروں کی زیارت مستحب ہے خصوصاً والدین کی قبر کی زیارت کو جانا، وہاں فاتحہ پڑھنا اور اپنی حاجات دنیوی و اخروی کو خدا سے طلب کرنا اور مؤمن والدین سے شفاعت کی درخواست کرنا بہت نیک عمل ہے ۔

مؤمن کی قبر پر جب مؤمن جاتا ہے تو میت کو خوشی اور سرور کا احساس ہوتا ہے خصوصاً پیر ، جمعرات اور ہفتے کے دن زیارت کو روایات میں اہمیت دی گئی ہے ، جب قبروں کے پاس سے گزرے تو قبروں میں مدفون مؤمنین کو سلام کرے اور یوں کہے:

السَّلَامُ عَلَيْكُمْ مِنْ دِيَارِ قَوْمٍ مُؤْمِنِينَ وَ إِنَّا إِنْ شَاءَ اللَّهُ بِكُمْ لَاحِقُونَ.

یعنی :خدا آپ کو سلامت رکھے ہر اذیت سے بچائے اور ان شاء اللہ ہم بھی آپ کے پاس آنے والے ہیں ۔

اور جب بھی کسی مؤمن کی قبر کی زیارت کریں تو اس کی قبر پر ہاتھ رکھ کر قبلہ کی طرف رخ کرکے سات ۷ دفعہ سورہ انا انزلناہ پڑھیں اور اس عمل کا ثواب مؤمن کو ہدیہ کر دیں ۔

انسان کا فریضہ ہے کہ میت کو اور اس کے دفن کو دیکھ کر اپنے اعمال کا جائزہ لے اور اپنے گناہوں سے توبہ کرے اور یہ اس پر روشن ہو جائے کہ ایک دن اس نے بھی اسی طرح دفن ہونا ہے ۔

اور قبروں سے گزرتے وقت ہنسنا بہت زیادہ مکروہ ہے ۔

مؤمنین کے لئے مستحب ہے کہ جس کا کوئی عزیز مر گیا ہو اس کے لئے تین دن کھانا پکا کر اسے دیں تاکہ وہ مصیبت کی حالت میں خود پکانے کی زحمت کو برداشت نہ کرے اور اسے کھانا دے کر گھر واپس آجائیں اور اس کے ساتھ بیٹھ کر نہ کھائیں ۔

مؤمن کا فریضہ ہے کہ خدا کے کئے ہوئے کاموں پر راضی رہے اور اعتراض نہ کرے اور اپنے کسی عزیز یا دوست کے مرنے پر اعتراض نہ کرے اور ایسا کرنا بہت بڑا گناہ ہے ، جو کسی مصیبت میں مبتلاء ہو اور اسکا عزیز مر جائے تو صبر کرے یعنی منہ سے ایسا کوئی لفظ نہ نکلے کہ جس سے یہ ظاہر ہو کہ وہ خدا کے کئے پر راضی نہیں ہے یعنی رونا منع نہیں ہے اور اگر کوئی اس طرح صبر کرے گا تو خدا اسے ہزار شہیدوں کا ثواب عطا کرے گا اور اگر انسان کو مصیبت جھیلنے کی طاقت نہ ہو تو انبیاء و آئمہ علیہم السلام کی مصیبتوں کو یاد کرے اور اس سے سبق حاصل کرے۔

اور حرام ہے کہ اگر کسی کا کوئی مر جائے تو اس میت کے فضائل و مصائب بیان کرے بلکہ اہل بیت علیہم السلام کی مصیبتوں کو بیان کرے ، اہل بیت علیہم السلام کے علاوہ کسی کی موت پر سینہ پر ماتم کرنا یا اپنی رانوں پر ہاتھ مارنا جائز نہیں ہے ،اسکی اجازت نہیں ہے اور اسی طرح مصیبت پر اپنے بالوں کو نوچنا بھی بہت سخت مکروہ ہے اور اسی طرح زیادہ چیخیں مارنا اور گریبان پھاڑ دینا بھی مکروہ اور اس کی اجازت صرف باپ اور بھائی کی میت پر ہے۔

چالیس مؤمنوں کے لئے مستحب ہے کہ وہ میت کے بارے میں گواہی دیں کہ خدایا ہم اس کی سوائے نیکی کے کسی چیز کی گواہی نہیں دیتے اور یہ دعا پڑھیں: اللھم لانعلم بہ الا خیرا و انت اعلم بہ منا

چالیس مؤمنین کی گواہیوں کو خدا قبول کر کے مؤمن کے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے ۔

اور اگر میت کا نابالغ بچہ ہو تو اس کے سر پر ہاتھ رکھنا بھی مستحب ہے اور روایت میں ہے کہ جتنے بال اس کے ہاتھ کے نیچے آئیں گے تو ہر بال کے بدلے قیامت کے دن اسے نور عطا کیے جائیں گے جو اس کی جنت میں پہنچنے کا وسیلہ ہوں گے اور ہر بال کے بدلے اسے نیکی ملے گی اور جس کا دل سخت ہو جائے تو وہ یتیموں کے سر پر ہاتھ پھیرے خدا اس کے دل کو نرم کردے گا۔

جاری ہے ---

چہلمِ امام حسین علیہ السلام (قسط ۲)

مولانا منتظر مہدی نجفی

گزشتہ سے پیوستہ :

ہماری گفتگو اس بارے چل رہی تھی کہ اہل بیت علیہم السلام کا قافلہ شام سے واپس کربلا کس تاریخ کو آیا تھا ؟ آیا پہلے چہلم پر یعنی 20 صفر 61 ہجری کو آیا تھا یا پھر پہلے چہلم کے بعد کربلا میں آیا تھا ؟

اس بارے تاریخی کتب میں اختلاف ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس بارے میں ہمارے علماء کے مابین بھی اختلاف ہے ۔

پہلی قسط میں پہلے قول (یعنی شام سے پہلے چہلم پر ہی قافلہ کربلا واپس آیا) کے قائلین علماء کے بارے میں بات جاری تھی اور ہم نے عرض کیا تھا کہ علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے اس قول کو مشہور کی طرف نسبت دی ہے اور اس کے قائلین علماء میں سے ابو ریحان البیرونی ، الشیخ بہائی اور آیت اللہ مازندرانی کا ذکر ہوا اور مزید کچھ علماء بھی اسی قول کے قائل ہیں کہ جن میں سے کچھ حضرات یہ ہیں :

5 عبدالحسین نیشابوری ۔

عبدالحسین نیشابوری اپنی کتاب تقویم الشیعہ میں ۲۰ صفر کو اھل البیت ع کے کربلا آنے کے قول کو مشہور کی طرف نسبت دینے کے بعد اس کو قول اصح قرار دیا ہے۔

6 الشھید قاضی طباطبائی :

قاضی السید محمد علی طباطبائی نے اربعین کے موضوع پہ ایک بہت ہی بڑی اور ضخیم کتاب (تحقیق حول اول اربعین سید الشھداء) لکھی ہے جو کہ ۹۰۰ صفحات پہ مشتمل ہے ۔ جس میں سید نے پوری قوت سے یہ بات ثابت کرنی کو کوشش کی ہے کہ اہل بیت علیہم السلام کا قافلہ پہلے چہلم کو ہی کربلا پہنچا تھا۔

اور پھر اس حوالے سے جتنے بھی اشکالات تھے ان سب کو دفع کرنے کی کوشش کی ہے۔

ہم خلاصہ کرکے چند اہم نکات کو بیان کرتے ہیں تاکہ قول اول کے قائلین کی بات کو آپ تک اچھے طریقے سے پیش کر سکیں:

نکتہ اول: 11 محرم دوپہر کے بعد قافلہ کربلا سے روانہ ہوا۔(ارشاد ج ۲ ص ۱۱۴۔ مثیر الاحزان ص۸۴)

نکتہ دوم: 12 محرم کو قافلہ کوفہ میں وارد ہوا۔(الارشاد۔ الاعلام۔ الرکب الحسینی ج۵)

نکتہ سوم: 15 یا ۱۶ محرم کو قافلہ کوفہ سے شام کے لیے روانہ ہوا اور 1 صفر کو قافلہ شام پہنچا۔(مستدرک السفینۃ البحار ج۶ ص ۲۹۴ ۔ الوقائع والحوادث ج۵ص۵ معالی السبطین ج۲)

نکتہ چہارم :شام میں ۱۰ دن رکنے کے بعد قافلہ 10 صفر کو شام سے روانہ ہوا اور ۲۰ صفر سنہ ۶۱ ہجری کو کربلا پہنچا۔(بحار ۔آثار الباقیہ۔ توضیح المقاصد۔ معالی۔اولین اربعین لطباطبائی)

دوسرا قول :

اہل بیت علیہم السلام کا قافلہ پہلے چہلم کے بعد کربلا وارد ہوا ہے۔

اس قول کے قائلین فرماتے ہیں کہ بعید ہے کہ قافلہ کوفہ سے شام جائے اور پھر شام سے چہلم کو کربلا پہنچے۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ:

الف : کوفہ سے قاصد خبر لے کے شام جاتا ہے پھر شام سے پیغام واپس کوفہ لاتا ہے تو اس کام میں ہی مدت لگ جاتی ہے اور قافلہ ۲۵ یا ۲۶ محرم کو کوفے سے روانہ ہوتا ہے ۔۔(اقبال الاعمال ص۵۸۹)

ب : متعدد کتابوں میں موجود ہے کہ اہل بیت علیہم السلام کو شام میں ایک مہینہ یا ایک سال ٹھہرایا گیا تھا۔ تو پھر پہلے چہلم پہ کیسے واپس پہنچ سکتے ہیں؟!

اس مدت کے حوالے سے بعض علماء نے بھی لکھا ہے اہل بیت علیہم السلام کو شام میں ایسے قید خانے میں ٹھہرایا گیا تھا کہ جو گرمی اور سردی سے نہ کافی تھا جس کی وجہ سے چہرے سیاہ پڑ گئے تھے۔ اس کا مطلب ہے کہ اہل بیت علیہم السلام کافی مدت شام کی قید میں رہے۔

ج : شیخ مفید اور شیخ طوسی جو کہ قدیم مصادر ہیں ،نے لکھا ہے کہ ۲۰ صفر کو اھل بیت شام سے واپس ہوئے ۔ (نہ کہ کربلا پہنچے)(مسار الشیعہ و مصباح المتھجد۔)

د : قدیم کتابوں میں جابر بن عبداللہ کا ذکر ہے کہ وہ چہلم کو کربلا آئے مگر جناب جابر کی اہل بیت علیہم السلام سے ملاقات کا ذکر نہیں کیا۔ جیسے کہ شیخ مفید اور شیخ طوسی کی بات گذر چکی۔بس کیسے ممکن ہے کہ اہل بیت علیہم السلام پہلے چہلم کو کربلا آئیں اور جابر سے ملاقات نہ ہو۔

دوسرے قول کے قائلین علماء

۱: سید ابن طاووسؒ

ظاہراً سید ابن طاؤس وہ پہلے پہلے شخص ہیں جنہوں نے اہل بیت علیہم السلام کے پہلے چہلم پہ آنے کو بعید لکھا ہے۔

سید ابن طاوس اقبال الاعمال میں لکھتے ہیں : مصباح میں ہے کہ اھل بیت ۲۰ صفر کو مدینہ پہنچے اور غیر مصباح میں ہے کہ ۲۰ صفر کو کربلا پہنچے ۔

حالانکہ دونوں باتیں بعید ہیں۔کیونکہ ابن زیاد یزید کو قافلے کے بارے میں آگاہ کرے اور پھر وہاں سے پیغام آئے ۔ خود شام میں اہل بیت علیہم السلام کا ایک ماہ سے زیادہ قید میں ہونا ۔ ان سب باتوں کو دیکھ کر لگتا ہے کہ اوپر والے دونوں نظریے بعید ہیں ۔ (اقبال الاعمال ج ۲ ص ۵۸۹)

۲:علامہ باقر مجلسیؒ

لکھتے ہیں کہ زیارت اربعین کے مستحب ہونے کی علت اخبار میں موجود نہیں ۔مگر مشہور یہ ہے زیارت اربعین اس وجہ سے مستحب ہے کہ اس دن اھل حرم امام حسین علیہ السلام شام سے کربلا آئے تھے اور امام حسین علیہ السلام کے سر اقدس کو جسم اطہر کے ساتھ دفنایا تھا۔

پھر علامہ مجلسیؒ فرماتے ہیں کہ مگر یہ بات بہت بعید ہے کہ اھل بیت چہلم کو کربلا پہنچ سکیں چونکہ وقت بہت کم ہے اس میں گنجائش نہیں کہ اھل بیت شام سے کربلا آ سکیں۔(بحار الانوار ج ۹۸ ص۳۳۵)

۳: الشیخ عباس قمیؒ

شیخ عباس قمی اس موضوع پہ اقوال نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ ۲۰ صفر کو اہل بیت علیہم السلام کا کربلا آنا بہت بعید ہے۔(منتھی الامال فی تاریخ النبی والاآل ج۱ ص ۶۲۳)

۴: الشھید مطہریؒ

شھید مرتضی مطہری بھی اس بات کے منکر ہیں کہ اہل بیت علیہم السلام پہلے چہلم کو کربلا آئے تھے (الملحمۃ الحسینہ ج۱ ص۳۰)

۵ : محدث نوریؒ

جسطرح قول اول کو اثبات کرنے کے لیے قاضی محمد علی طباطبائی نے کافی زحمت کی تھی اسیطرح اس قول ثانی کو ثابت کرنے کے لیے محدث حسین نوری نے کافی تفصیل کے ساتھ بحث کی ہے ۔

محدث نوری اپنی کتاب لؤلؤ و مرجان میں سید ابن طاوس کی بات کو کتاب لہوف سے نقل کرتے ہیں کہ سید نے لکھا ہے کہ چہلم کے دن جابر بن عبداللہ کی اہل بیت علیہم السلام کے قافلے کے ساتھ ملاقات ہوئی تھی۔۔یعنی چہلم کو اہل بیت علیہم السلام کربلا پہنچے تھے۔

اس کو نقل کرنے کے بعد اس کے رد میں میں دو مقدمہ اور سات نکات ذکر کرتے ہوئے چہلم اول والے قول کو رد کرتے ہیں ۔اور اس نظریے کو اختیار کرتے ہیں کہ اھل بیت چہلم اول کے بعد کربلا آئے تھے ۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ کریں۔ لولو و مرجان ص۱۸۴ سے ۱۹۵ تک ۔

۶ : محمد امین الامینیؒ

کتاب الرکب الحسینی من المدینہ الی المدینہ ج۶ کے مصنف محمد امین الامینی ۔ قول اول اور قول ثانی کی دلیلوں کو تمام تر تفاصیل کے ساتھ نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ : فالمختار فی المسئلہ ان الرجوع۔۔ما کان فی الاربعین الاولی ولا الثانیہ بل فی الفترۃ الواقعۃ بینھما۔

لکھتے ہیں کہ ہمارا نظریہ یہ ہے کہ اہل بیت علیہم السلام نہ چہلم اول پہ نہ چہلم ثانی پہ بلکہ ان دونوں کے درمیان کربلا آئے ہیں ۔ (کتاب الرکب الحسینی من المدینہ الی المدینہ ج۶ص ۳۱۸)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

دوسروں کو معاف کر دینا

سیرت امام حسن علیہ السلام کے تناظر میں

مولانا مختار حسین توسلی

حلم کے معنی بردباری ، تحمل اور برداشت کرنے کے ہیں جبکہ عفو کے معنی درگزر ، معاف کرنے اور بخش دینے کے ہیں ۔

یہ دو ایسے الفاظ ہیں جو خدا کی صفات میں سے ہیں ، چنانچہ انسانوں میں سے جو بھی ان کو اختیار کرتا ہے وہ اعلیٰ اخلاقی کمالات سے متصف ہو جاتا ہے ۔

حلم و بردباری اور عفوو درگزر کے بارے میں قرآن مجید میں متعدد آیات موجود ہیں ، من جملہ ان میں سے ایک آیہ شریفہ ذیل میں پیش کی جاتی ہے :

الَّذِینَ یُنفِقُونَ فی السَّرَّاءِ وَ الضرَّاءِ وَ الْکَظِمِینَ الْغَیْظَ وَ الْعَافِینَ عَنِ النَّاسِ وَ اللهَّ یحُبُّ الْمُحْسِنِینَ (سورہ آل عمران ۱۳۴)

ترجمہ : (ان متقین کے لیے) جو خواہ آسودگی میں ہوں یا تنگی میں ہر حال میں خرچ کرتے ہیں اور غصے کو پی جاتے ہیں اور لوگوں سے درگزر کرتے ہیں اور اللہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

واضح رہے کہ اس سے پچھلی آیت میں اہل تقویٰ کا ذکر ہے اور یہ آیت اسی کا تسلسل ہے ، اس میں اہل تقویٰ کے اوصاف بیان ہوئے ہیں ، ان کی ایک اہم صفت یہ ہے کہ وہ اپنے غصے سے مغلوب نہیں ہوتے بلکہ اسے اپنے کنڑول میں رکھتے ہیں ۔

قابل غور بات یہ ہے کہ یہاں پر یہ نہیں فرمایا کہ اہل تقویٰ کو غصہ نہیں آتا بلکہ فرمایا کہ غصے کی حالت میں ضبط و تحمل سے کام لیتے ہیں ، لہٰذا انسانی طبیعت کے پیش نظر غصے کا نہ آنا کمال نہیں ہے بلکہ اسے قابو میں رکھنا کمال ہے ، چنانچہ متقین نہ صرف دوسروں کی غلطیوں سے چشم پوشی کرتے ہیں بلکہ دل سے معاف بھی کر دیتے ہیں ۔

قرآن مجید کی آیات اور معصومین علیہم السلام کی روایات کی روشنی میں حلم و بردباری اور عفو و درگزر کا مورد یہ ہے کہ انسان اپنے اوپر ظلم اور ناانصافی کرنے والے سے انتقام لینے کی قدرت اور طاقت رکھتا ہو لیکن اس کے باوجود اپنے جذبہ انتقام کو ترک کرتے ہوئے اس کو معاف کر دے تو یہ حلم و عفو کہلاتا ہے ، گویا حلم و عفو طاقت ور انسان کی طرف سے کمزور انسان پر ہوتا ہے ، کیونکہ کمزور شخص کا انتقام نہ لینا خوف اور بے بسی کے زمرے میں آتا ہے ۔

امیر المؤمنین علیہ السلام فرماتے ہیں :

لَیْسَ الْحَلِیمُ مَنْ عَجزَ فَهجَمَ وَ إِذَا قَدرَ انْتَقَمَ إِنَّمَا الْحَلِیمُ مَنْ إِذَا قَدَرَ عَفَا وَ کَانَ الْحِلْمُ غَالِباً عَلَى أَمْرِهِ. (غرر الحکم ص ۳۱۴)

بردباری یہ نہیں ہے کہ انسان انتقام لینے سے عاجز ہو ، یہ ناتوانی کی علامت ہے ، اور جب قدرت آجائے تو انتقام لے یہ بھی حلیم شخص کی صفت نہیں ہے بلکہ بردبار وہ ہے جو انتقام کی طاقت رکھتے ہوئے معاف کر دے اور بردباری اس کے تمام امور پر غالب ہو ۔

اس حدیث مبارکہ میں ایک اہم نکتہ بیان ہوا ہے کہ حلم یعنی بردباری انسان کے تمام امور پر غالب اور حاوی ہونی چاہئے یعنی اس کے اندر دوسروں کی ہر چھوٹی بڑی غلطی اور کوتاہی کو برداشت کرتے ہوئے معاف کر دینے کا مادہ ہو، ورنہ وہ حلیم نہیں بن سکتا اور جو حلیم نہ بنے وہ متقی بھی نہیں بن سکتا ۔

افسوس کا مقام یہ ہے کہ اس وقت ہمارے معاشرے میں حلم و بردباری اور عفوو درگزر جیسے زرین اسلامی اصولوں کو پس پشت ڈال دیا گیا ہے لوگ مسلمان اور مؤمن ہونے کا دعویٰ تو کرتے ہیں لیکن آپس کے لین دین تعلقات ، معاملات ، میل جول اور گفت و شنید کے وقت دینی تعلیمات کو یکسر نظر انداز کر دیتے ہیں ، آج ہماری حالت اتنی خراب ہو چکی ہے کہ معمولی معمولی باتوں پہ ایک دوسرے کو برا بھلا کہتے ہیں ، گالیاں تک دیتے ہیں اور اگر بس چلے تو مار کٹائی سے بھی دریغ نہیں کرتے ۔

صرف نظریاتی اختلافات کی بنیاد پر ایک دوسرے کو بُرا بھلا کہہ ڈالتے ہیں ،علماء تک کی پگڑیاں اچھالی جاتی ہیں ، توہین کی جاتی ہے اور صرف اپنی ذات اور ذاتیات کے لئے دینی اقدار کو پامال کیا جاتا ہے ۔ آج کل سوشل میڈیا ان تمام غیر اخلاقی اور غیر دینی سرگرمیوں کی جولان گاہ بنا ہوا ہے ، جہاں ہر کوئی جو جی اور من میں آئے کہتا ہوا نظر آتا ہے ، نہ کسی کی عزت و وقار کا خیال ہے اور نہ مقام و مرتبے کا ، یہ سب کچھ حلم و بردباری اور عفو و درگزر کے نہ ہونے کی وجہ سے ہو رہا ہے ۔

چنانچہ ضرورت اس امر کی ہے کہ معاشرے میں بڑھتے ہوئے عدمِ برداشت کے رجحان کو روکنے کے لئے حلم و بردباری اور عفو و درگزر کو عام کیا جائے اور اس سلسلے میں معصومینؑ کی سیرت و کردار کو زیادہ سے زیادہ بیان کیا جائے تاکہ لوگوں کے درمیان پیار و محبت ، عزت و احترام اور بھائی چارگی کی فضا کو قائم کیا جاسکے ۔

اللہ کے برگزیدہ اور چنیدہ بندوں (انبیاء و آئمہ علیہم السلام) کی اعلیٰ صفات کا جہاں تک تذکرہ ہے وہاں پر ان کے حلم و عفو جیسی عمدہ صفات سرفہرست نظر آتی ہیں چونکہ غصے کا آنا ایک فطری عمل ہے جس کی وجہ سے معاشرے میں فتنہ و فساد ، قتل و غارتگری اور دشمنی و عداوت پیدا ہو سکتی ہے ، اس لئے اللہ نے اپنے نمائندوں کو بردباری اور درگزر جیسی صفات سے متصف کرکے بھیجا تاکہ ان اخلاقی اور معاشرتی برائیوں کو سد باب کیا جاسکے ۔

سیرت کی کتابوں میں انبیاء و مرسلینؑ اور آئمہ طاہرینؑ کے حلم و بردباری اور عفو و درگزر کے ان گنت واقعات دیکھنے کو ملتے ہیں لیکن یہاں پر ہم فقط حضرت امام حسن علیہ السلام کی سیرت پاک کا ایک واقعہ بیان کریں گے :

علامہ ابن شہر آشوب تحریر فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام گھوڑے پر سوار ہو کر کہیں تشریف لے جا رہے تھے کہ راستے میں ایک شامی سے ملاقات ہوئی ، جو حاکم شام کے طرفداروں میں سے تھا اور آلِ علیؑ کے بارے میں حکومتی مشینری کے غلط پروپیگنڈوں کا شکار تھا ، اس لئے ملاقات ہوتے ہی اس نے امام حسن مجتبیٰ ع اور امیر المومنین علیہ السلام کو بُرا بھلا کہنا شروع کر دیا ، وہ اول فول بکتا گیا اور امام علیہ السلام خاموشی سے سنتے رہے ، کوئی رد عمل نہیں دکھایا ، جب وہ اپنے تئیں سب کچھ کہہ چکا تو امام عالی مقام اس کے قریب آئے ، سلام کرکے حال دریافت کیا اور فرمایا:

کہ تو شاید مسافر ہے اور ہمارے دشمنوں کے پروپیگنڈے کا شکار ہے اور دیکھو اگر تجھے سواری کی ضرورت ہے تو میں تجھے سواری دوں گا ، اگر بھوکا ہے تو کھانا کھلاؤں گا ، اگر لباس کی ضرورت ہے تو وہ فراہم کروں گا اور اگر مال و دولت کی احتیاج ہے تو اتنا دوں گا کہ تو خوشحال ہو جائے گا ۔

امام عالی مقام کے حد درجہ اخلاق کریمہ کو دیکھ کر وہ شامی شرمندہ ہوا اور کہنے لگا کہ میں آپؑ اور آپ کے والد گرامیؑ کو سخت نفرت اور حقارت کی نگاہ سے دیکھتا تھا ، آج سے پہلے آپؑ اور آپ کے باباؑ میرے نزدیک بدترین انسان تھے لیکن آج مجھے پتہ چلا کہ سب سے بہترین انسان ہیں ، میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؑ ہی زمین پر خدا کے خلیفہ ہیں ، یوں وہ کافی عرصہ امام کی خدمت میں رہا اور آپ کا محب بن کر چلا گیا ۔ (مناقب آلِ ابی طالب ج ۴، ص ۲۳)

قارئین محترم! ذرا تصور کیجئے کہ اگر امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام کی جگہ ہم ہوتے تو کیا کرتے ؟ ہمارا رد عمل کیا ہوتا ہے ؟ یقیناً ہمارا رد عمل بدلہ لینے والا ہوتا اور وہ شخص دوست بننے کی بجائے ہماری دشمنی میں مزید پختہ ہو کر واپس چلا جاتا لیکن امام عالی مقام نے حلم و بردباری اور عفو و درگزر سے کام لے کر نہ صرف اس کی غلط فہمیوں کو دور کر دیا بلکہ اس کو اپنا محب بھی بنا لیا یعنی آپؑ کے حسنِ اخلاق کی وجہ سے آپؑ کی شان میں گستاخی کرنے والا بدترین دشمن بھی آپؑ کے لطف و عنایات سے فیضیاب ہو کر چاہنے والا بن گیا ۔

امام عالی مقام کا یہ کردار اس قرآنی اصول کی عملی تفسیر ہے کہ برائی کے بدلے میں احسان کرنے سے دشمن بھی دوست بن جاتے ہیں جیساکہ ارشاد ہوتا ہے :

وَ لَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَ لَا السَّیِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِی هِیَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِی بَیْنَكَ وَ بَیْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِیٌّ حَمِیمٌ (سورہ فصلت ۳۴)

ترجمہ :اورنیکی اور بدی برابر نہیں ہو سکتے، آپ (بدی کو) بہترین نیکی سے دفع کریں تو آپ دیکھ لیں گے کہ آپ کے ساتھ جس کی عداوت تھی وہ گویا نہایت قریبی دوست بن گیا ہے۔

اس آیتِ شریفہ سے ہمیں یہ پیغام ملتا ہے کہ برائی کو نیکی سے ، جہالت کو علم سے ، بد اخلاقی کو حسنِ اخلاق سے ، بدکلامی کو حلم و بردباری سے اور گستاخی کو عفوو درگزر سے دور کرنا چاہئے ، ایسا کرنے سے جانی دشمن بھی جگری دوست بن جاتا ہے ۔

اس سلسلے میں امام حسن مجتبیٰؑ کی سیرت ہمارے لئے نمونہ عمل ہے ، اگر ہم ان کی سیرتِ پاک کو اپنے لئے مشعل راہ بنا لیں تو وہ لوگ جو ہم سے بغض و عناد رکھتے ہیں ، ہمیں بُرا بھلا کہتے ہیں ان کے لئے ہمارا حسن اخلاق مردہ ضمیر میں روح پھونک سکتا ہے ۔

حلم و عفو کے بہت سارے فوائد ہیں :

ایک یہ کہ دشمن بھی دوست بن جاتا ہے ۔

دوسرا یہ کہ برداشت اور درگزر کرنے والا لوگوں کا محبوب بن جاتا ہے ۔

تیسرا یہ کہ معاشرے میں لوگوں کے درمیان عزت و احترام کے جذبے کو فروغ ملتا ہے ۔

حلم و عفو کی افادیت کو واضح کرنے کے لئے ایک مثال پیش کی جاتی ہے :

فرض کیجئے کہ آپ کے ہاتھ میں چائے کا کپ یا پانی کا گلاس ہے ، اسی اثنا میں کوئی آدمی آپ کو دھکا دے دیتا ہے تو آپ کے ہاتھ میں موجود گلاس سے پانی چھلک جاتا ہے ، اگر آپ سے پوچھا جائے کہ آپ کے گلاس سے پانی کیوں چھلکا؟ تو آپ کا جواب ہوگا کہ فلاں نے مجھے دھکا دے دیا تھا ۔

لیکن حقیقت میں دیکھا جائے تو یہ جواب غلط ہے ، درست جواب یہ ہے کہ

------------------باقی صفحہ نمبر ۱۰ پر ملاحظہ فرمائیں ------------

اے حرؑ
تجھے جنت کی بشارت ہو

مولانا قیصر عباس نجفی

ابصار العین میں حضرت حرؑ کے نام کو اجداد کے ناموں کے ساتھ اس طرح لکھا ہے :

هو الحرّ بن يزيد بن ناجية بن قعنب بن عتّاب بن هرميّ بن رياح ابن يربوع بن حنظلة بن مالك بن زيد مناة بن تميم، التميمي اليربوعي الرياحي. (إبصار العين، السماوی ص : ۲۰۳)

حضرت حرؑ کا تعلق بنی تمیم سے تھا اور بنی تمیم کی عظمت کو امیر المؤمنینؑ نے نہج البلاغہ میں ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

وَ قَدْ بَلَغَنِي تَنَمُّرُكَ لِبَنِي تَمِيمٍ وَ غِلْظَتُكَ عَلَيْهِمْ وَ إِنَّ بَنِي تَمِيمٍ لَمْ يَغِبْ لَهُمْ نَجْمٌ إِلَّا طَلَعَ لَهُمْ آخَرُ وَ إِنَّهُمْ لَمْ يُسْبَقُوا بِوَغْمٍ فِي جَاهِلِيَّةٍ وَ لَا إِسْلَامٍ وَ إِنَّ لَهُمْ بِنَا رَحِماً مَاسَّةً وَ قَرَابَةً خَاصَّةً نَحْنُ مَأْجُورُونَ عَلَى صِلَتِهَا وَ مَأْزُورُونَ عَلَى قَطِيعَتِهَا (مکتوب ۱۸، ص۶۶۵)

ان جملوں کا ترجمہ کرنے سے پہلے تھوڑی سی تمہید عرض کرنا چاہتا ہوں تاکہ اس ٹکڑے کا ترجمہ سمجھ آسکے۔

عبد اللہ ابن عباس بصرہ کے عامل تھے اور زمامِ حکومت امیر المؤمنینؑ کے ہاتھ میں تھی اور حضرت عثمان کے قتل کے خلاف اٹھنے والی تحریکوں میں بصرہ میں بنی تمیم تھے جو اس تحریک میں سرگرمی سے حصہ لے رہے تھے تو عبد اللہ بن عباس نے بنی تمیم پر سختی کا برتاؤ کیا اور انہیں برے سلوک کا مستحق سمجھا، مگر اس قبیلے میں کچھ لوگ امیر المؤمنینؑ کے مخلص شیعہ بھی تھے انہوں نے جب ابن عباس کا اپنے قبیلے سے یہ رویہ دیکھا تو حارثہ بن قدامہ کے ہاتھ ایک خط حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں تحریر کیا، جس میں ابن عباس کے متشددانہ رویہ کی شکایت کی، جس پر امیر المؤمنین علیہ السلام نے ابن عباس کو یہ خط تحریر فرمایا، جس میں انہیں اپنی روش بدلنے اور حسنِ سلوک سے پیش آنے کی ہدایت فرمائی ہے اور انہیں اس قرابت کی طرف متوجہ کیا جو بنی ہاشم اور بنی تمیم میں پائی جاتی تھی۔

کیونکہ بنی ہاشم اور بنی تمیم سلسلہ میں الیاس بن مضر پر ایک ہوجاتے ہیں کیونکہ مدرکہ بن الیاس سے ہاشم ہیں اور طانخہ ابن الیاس کی اولاد سے تمیم تھے۔

اب ان جملوں کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں :

(اے ابن عباس) مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ تم بنی تمیم سے درشتی کے ساتھ پیش آتے ہو اور ان پر سختی روا رکھتے ہو، بنی تمیم تو وہ ہیں کہ جب بھی ان کا کوئی ستارہ ڈوبتا ہے تو اس کی جگہ دوسرا ابھر آتا ہے اور جاہلیت اور اسلام میں کوئی ان سے جنگ جوئی میں بڑھ نہ سکا اور پھر انہیں ہم سے قرابت کا لگاؤ اور عزیز داری کا تعلق بھی ہے کہ اگر ہم اس کا خیال رکھیں گے تو اجر پائیں گے اور اس کا لحاظ نہ رکھیں گے تو گناہ گار ہوں گے۔

اس ٹکڑے کو ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ امیر المؤمنینؑ نے بنی تمیم کے افراد کو نجم (ستارے) سے تعبیر کیا ہے اور ان کی بہادری کو بیان فرمایا ہے اور حضرت حرؑ کا تعلق بھی اسی بنی تمیم سے تھا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ نگاہِ امیر المؤمنینؑ میں حضرت حرؑ نجم بھی ہیں اور بہادر بھی ہیں۔

اور ذخیرۃ الدارین میں سید عبد المجید حائری حسینی شیرازی نے لکھا ہے "

کان الحر شریفا فی قومہ

حضرت حرؑ اپنی قوم میں شریف انسان تھے۔

اور شیخ مفیدؒ نے اپنی کتاب ارشاد میں تحریر فرمایا ہے :

فَقَالَ لَهُ الْمُهَاجِرُ إِنَّ أَمْرَكَ لَمُرِيبٌ وَ اللهِ مَا رَأَيْتُ مِنْكَ فِي

مَوْقِف قَطُّ مِثْلَ هَذَا وَ لَوْ قِيلَ لِي مَنْ أَشْجَعُ أَهْلِ الْكُوفَةِ مَا عَدَوْتُكَ فَمَا هَذَا الَّذِي أَرَى مِنْكَ

مہاجر نے حضرت حرؑ سے کہا کہ اگر مجھ سے کہا جائے کہ اہل کوفہ میں زیادہ شجاع کون ہے تو میں آپ کے نام سے آگے نہ بڑھتا۔

جبکہ سبط ابن الجوزی نے تذکرۃ الخواص میں تحریر فرمایا ہے:

وكان الحر بن يزيد اليربوعى من ساداتهم (يريد اهل الكوفة)

کہ حضرت حرؑ کوفہ کے سرداروں میں سے تھے۔

جبکہ تذکرۃ الشہداء میں آیت اللہ حبیب کاشانی تحریر فرماتے ہیں :

كان شجاعا فارسا بطلا مقدما شريفا يعد بالف فارس

حضرت حرؑ شجاع ، مردِ میدان، بہادر ، سامنے آنے والے ، شریف اور مشہور تھے اور ایک ہزار کے مقابلے میں شمار ہوتے تھے۔

اسی وجہ سے مؤرخین کہتے ہیں کہ:

ابن زیاد ملعون اور عمر سعد کو حضرت حرؑ پر بڑا اعتماد تھا اس لئے سب سے پہلے روانہ کیا تھا اور پھر یومِ عاشورا کو لشکر کی تقسیم کے موقع پر انہیں لشکر کے ایک چوتھائی حصہ پر جو قبیلہ بنی تمیم اور ہمدان پر مشتمل تھا سردار قرار دیا تھا ، اسی بات کی طرف موسوعہ امام حسین علیہ السلام والوں نے اشارہ کیا ہے :

كان الحر من رؤساء اهل الكوفة ارسله ابن زياده من القادسية اميرا على الف فارس مستقبل بهم الحسين لئلا يدخل الكوفة و جعله ابن سعد يوم عاشورا على ربع تميم و همدان (موسوعۃ الامام الحسینؑ ج15، ص750)

حضرت حرؑ اہل کوفہ کے سرداروں میں سے تھے ، ابن زیادہ ملعون نے ان کو قادسیہ سے ایک ہزار گھڑ سوار پر امیر بنا کر بھیجا تاکہ یہ امام حسینؑ کا سامنا کرے اور مولا کو کوفہ میں داخل ہونے سے روکے اور عاشور کے دن ابن سعد ملعون نے ہمدان اور بنی تمیم کے چوتھے حصے کا سردار بنایا تھا۔

اور سحابِ رحمت میں ہے کہ حضرت حرؑ نے کہا جب میں گھر سے باہر نکلا تو میں نے ایک منادی کی آواز سنی جس نے مجھے تین بار ندا دی کہ اے حرؑ تجھے جنت کی بشارت ہو تو میں نے خود سے کہا حرؑ کی ماں اس کے غم میں بیٹھے میں رسول اللہ ﷺ کے فرزند سے جنگ کرنے کے لئے جا رہا ہوں اور بشارت جنت کی سن رہا ہوں اور یہ بات جب حضرت حرؑ نے امام حسینؑ کو بتائی تھی تو مولا حسینؑ نے فرمایا تھا وہ بشارت دینے والے خضر نبی تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بقیہ : دوسروں کو معاف کر دینا (سیرتِ امام حسن علیہ السلام کی روشنی میں)

آپ کے گلاس میں پانی تھا اس لئے چھلکا یعنی آپ کے کپ یا گلاس سے وہی چھلکے گا جو اس میں ہو۔

ہماری زندگی اور ہمارا وجود بھی اسی طرح ہے جب زندگی میں ہمیں کہیں کوئی دھکا دیتا ہے تو ہماری اصلیت چھلکتی ہے ، ہماری اصلیت اس وقت تک سامنے نہیں آتی جب تک ہمیں کوئی دھکا نہ لگے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ جب کوئی ہمیں بُرا بھلا کہتا ہے ، گالم گلوچ کرتا ہے ، یا کوئی اور تکلیف پہنچاتا ہے تو ہمارے اندر سے کیا چھلکتا ہے ؟صبر ، خاموشی ، رواداری ، در گزر یا پھر غصہ ، کڑواہٹ ، نفرت اور انتقام ؟!

لہٰذا ہمیں غور کرنا چاہئے کہ ہم کس اصلیت کے مالک ہیں ، اگر خاموشی ، برداشت اور عفو و در گزر کے مالک ہیں تو الحمد للہ خدا سے مزید توفیق کی دعا کرنی چاہئے ، لیکن اگر ان صفات کے مالک نہیں ہیں تو پھر اپنے نفس پر زور لگا کر بھی انہیں حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے تاکہ ہمارا شمار بھی متقین میں سے ہو۔

یہاں پہ اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ حلم و بردباری اور عفو و در گزر کا حکم ان معاملات سے ہے جن کا تعلق انسان کی اپنی ذات سے ہو ، لیکن اگر معاملہ دینِ اسلام ، انبیاء و مرسلینؑ اور آئمہ علیہم السلام کی توہین کا ہو تو وہاں پر مناسب رد عمل ضروری ہے چونکہ اس مورد میں خاموش رہنا مذموم شمار ہوتا ہے۔

وہ کفار اور اسلام دشمن قوتیں جو اسلام اور مسلمانوں کے در پے آزار ہیں ان کے بارے میں ہر گز عفو و در گزر کا حکم نہیں ہے۔

اور بالکل اسی طرح معاشری خرابیوں اور برائیوں کی روک تھام اور ان کو ختم کرنے کے لئے بھی قانونی اور شرعی سزائیں جاری کرنے میں کوئی نرمی نہیں ہے کیونکہ ایسا نہ کرنے سے معاشرہ تباہ و برباد ہو جائے گا۔

پس حلم و عفو کا تعلق انسان کی اپنی ذات سے ہے ، ذاتی معاملات میں اپنے دشمن کو معاف کردینا اسلامی تعلیمات کا ایک اہم حصہ ہے ، اگر کوئی دشمن اپنے کردار و عمل کے ذریعے کسی مؤمن کو تکلیف پہنچائے تو اس کے مقابلے میں صبر و ضبط اور عفو و در گزر سے کام لینا اللہ کے خاص بندوں کی نشانی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی معاشرتی زندگی میں حلم و بردباری جیسی صفات سے متصف ہونے اور اپنی ذات و ذاتیات سے بالاتر ہو کر دین وملت کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

صحابی امیر المؤمنین علیہ السلام جناب

محمد بن ابی بکر علیہ السلام

تاریخ بشریت میں بہت کم و بیش ایسے کردار ملتے ہیں جن کو دیکھ کر اور ان کرداروں کو پڑھ کر عبرت حاصل ہوتی ہے اور راہ حق کی تلاش میں آسانی پیدا ہوتی ہے ، انہی منفرد کرداروں میں سے ایک منفرد کردار جناب حضرت محمد بن ابی بکر کا ہے کہ جنہوں نے تاریخ اسلام میں ایسا کردار ادا کیا ہے کہ اگر کوئی بھی صاحب فکر و خرد اس کردار پر غور کرے تو اس کے لئے راہ ہدایت روشن ہو جائے گا۔

محمد بن ابی بکر سن ۱۰ ہجری حجۃ الوداع کے موقع پر پیدا ہوئے ، آپ کا نام محمد رکھا گیا اور کنیت ابو القاسم تھی ۔

آپ کی والدہ محترمہ:

یہ بات ایک طے شدہ حقیقت ہے کہ معاشرے میں اگر مائیں عظیم ہوں تو ان کے بیٹے بھی عظیم ہوتے ہیں ، جناب محمد کی والدہ محترمہ حضرت اسماء بنت عمیس ہیں ، جن کا شمار صدرِ اسلام کی عظمت کی حامل خواتین میں ہوتا ہے ۔

اور آپ نے اپنے شوہر جناب جعفر طیار ابن ابی طالب کے ساتھ اسلام قبول کیا تھا جس کی وجہ سے آپ کا شمار سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والوں میں ہوتا ہے ۔

جب جناب جعفر طیار شہید ہوگئے تو جناب اسماء کی شادی ابوبکر سے ہوئی ۔

جناب جعفر طیار سے تین فرزند عبد اللہ ، محمد اور عون پیدا ہوئے اور ابوبکر سے جناب محمد ۔

اور امیر المؤمنین علیہ السلام سے دو بیٹے یحییٰ اور عون دنیا میں آئے ۔ (منتہی الآمال ج۱، ص ۲۹۹،۲۹۸)

جناب اسماء بنت عمیس کی عظمت کے لئے یہی کافی ہے کہ آپ کو یہ سعادت حاصل ہے کہ آپ اپنے شوہر نامدار جناب جعفر طیار کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کر کے گئیں اور سن ۷ ہجری کو باقی مسلمانوں کے ساتھ مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی ، اس طرح مہاجرین اولین کی صف میں آپ کا شمار ہوتا ہے جن کی عظمت کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے ۔

۷ ہجری کو جب جعفر طیار شہید ہوئے تو اپ نے ابو بکر ابن ابی قحافہ سے شادی کی اور ۱۰ ہجری کو محمد کی ولادت ہوئی ۔

جناب اسماء کی امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب علیہما السلام سے شادی :

جب ۱۲ ہجری کو ابو بکر وفات پا گئے تو اس عظیم خاتون کی قسمت کا ستارہ عروج پر پہنچ گیا اور وصی رسول اللہ ، نفس رسول، امام علی ابن ابی طالب علیہما السلام کی زوجیت میں آنے کا شرف حاصل ہوا ، جب امیر المؤمنین علیہ السلام سے شادی ہوئی تو جناب محمد بن ابی بکر دو سال کے تھے اور اپنی والدہ محترمہ کے ساتھ بیت علم و حکمت میں آئے ۔

ایک اہم نکتہ: جناب اسماء کی عظمت یہ بھی ہے کہ آپ جس طرح خاندان بنی ہاشم میں داخل ہوئی اسی طرح یہ شرف بھی ملا کہ جناب سیدہ کونین فاطمہ زہراءؑ کے کفن دفن اور غسل میں شامل رہیں ۔

آپ کی عظمت کے لئے زوجیت وصی رسولؐ کے ساتھ ساتھ یہ بھی ہے کہ

امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہما السلام نے آپ کی مدح فرمائی ہے ۔(اختیار معرفۃ الرجال ، الطوسی۔ ص ۶۴، ۶۳۔ الخصال ج ۲، ص ۳۶۳)

محمد بن ابی بکر کی تربیت:

محمد بن ابی بکر کی تربیت کے لئے جس طرح بلند کردار باعظمت ماں کی گود میسر ہوئی ایسے ہی باعظمت گھرانہ اور باعظمت باپ بھی مل گیا کہ جسے دنیا نبوت و رسالت کا گھر اور بیت امامت کہتی ہے اور اسی بیت کے مربی کو دنیا والے امیر المؤمنینؑ ، باب مدینہ علم و حکمت اور وراث رسول اللہ ﷺ سے بھی جانتی ہے ۔

محض دو سال کی عمر سے محمد بن ابی بکر مولا علی علیہ السلام کے گھرانے کا فرد بن جاتے ہیں اور جوانانِ جنت کے سرداران حسن و حسین علیہما السلام کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا نصیب ہو جاتا ہے یہاں تک کہ حضرت علی علیہ السلام کے اپنے بیٹوں کی طرح ہو گئے اور امیر المؤمنین علی بن ابی طالب علیہما السلام نے اس بات کا اظہار بھی فرمایا کہ محمد صلبِ ابی بکر سے میرا بیٹا ہے ۔ (مامقانی ، تنقیح المقال ، ج ۲، ص ۵۸)

اور مزید ایک جگہ ارشاد فرمایا : کہ محمد میرا دوست ہے چونکہ اسے اپنی اولاد کی طرح میں نے تربیت دی ہے ۔ (نہج البلاغہ خطبہ ۶۷)

محمد بن ابی بکر کی شخصیت:

تاریخ اسلام کے معتدل مؤرخین اور علماء اسلام نے جناب محمد بن ابی بکر کو نیک اور اچھے الفاظ میں یاد کیا ہے اور آپ کو صداقت و دیانت و نجابت کا مصداق قرار دیا ہے ۔

محمد بن ابی بکر اور دفاع حق:

اس عظیم مجاہد نجیب و صداقت و دیانت کا مصداق ، و صحابی امیر المؤمنین علیہ السلام کی سب سے اہم خصوصیت آپ کا حق کا ساتھ دینا ہے اور حق پر ثابت قدم رہنا ہے ، آپ حق سے آشنا تھے اور آپ نے لوگوں کو درخواست کر رکھی تھی کہ اگر ان سے حق کے خلاف کوئی بھی کام سرزد ہو تو انہیں متوجہ کریں ۔ (ابن الحدید، شرح نہج البلاغہ ج ۳، ص ۲۰۳)

امیر المؤمنین علیہ السلام سے والہانہ محبت اور امامؑ کا اعتماد:

جناب امیر المؤمنین علیہ السلام محمد کو بہت چاہتے تھے یہاں تک کہ اپنے فرزندوں کی طرح قرار دیتے تھے جیسا کہ پہلے ذکر کیا ہے ، شاید یہی محبت و الفت باعث بنی کہ جناب محمد بن ابی بکر کے بارے میں بعض روایات نے انہیں اہل بیتؑ کی طرح نجیب قرار دیا ہے جس کی ایک مثال امیر المؤمنین علیہ السلام کا یہ فرمان ہے :

خدا محمد بن ابی بکر پر اپنی رحمتیں نازل کرے چونکہ انہوں نے جتنا ہو سکتا تھا اپنا وظیفہ انجام دینے کی کوشش کی ۔ (طبری ، تاریخ الاسلام و الامم ، ج ۴ ص ۸۳)

اور مزید ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: محمد کا مقام و منزلت میرے نزدیک ایسا ہے جس طرح ابوذر غفاری کا مقام رسول اللہ ﷺ کے نزدیک تھا ۔ (حرز الدین، مراقد المعارف، ج ۴، ص ۲۴۶)

امیر المؤمنین علیہ السلام کو جناب محمد بن ابی بکر پر حد درجہ اعتماد تھا اس لئے آپؑ نے محمد کو اپنے دور خلافت میں مصر جیسے اہم شہر کا گورنر بنایا اور آپؑ نے بہت سارے خطوط محمد کے نام لکھے اور محمد ان خطوط کے جوابات لکھتے تھے یوں ہمیشہ اپنی مربی برحق امام زمانہ امیر المؤمنین علیہ السلام کے ساتھ رابطے میں رہتے تھے اور آپؑ کی شہادت کے بعد بہت سارے خطوط حاکم شام کے ہاتھ لگ گئے جن کو عمر بن عبد العزیز نے اپنے دورِ حکومت میں آشکار کیا ۔ (ابن الحدید، شرح نہج البلاغہ ، ج ۳، ص ۲۱۱)

محمد بن ابی بکر کا سیاسی کردار :

خلیفہ سوم حضرت عثمان کے دورِ خلافت میں محمد بن ابی بکر کی سیاسی سرگرمیوں کا آغاز ہوتا ہے اور اسلامی لشکر کے صف اول کے مجاہدین میں شامل ہو کر مشرکین سے ہونے والی جنگوں میں شرکت کرتے ہیں ، اس کے بعد مسلمانوں کی آپس کی جنگوں کا آغاز ہوتا ہے ، محمد ابن ابی بکر نے صواری نامی جنگ میں عثمان کے دور حکومت میں شرکت کی ۔

بعض مؤرخین نے یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ جناب عثمان کو محمد بن ابی بکر نے قتل کیا لیکن حقیقت یہ ہے کہ جناب محمد بن ابی بکر ۱۳۰ افراد کے ساتھ حضرت عثمان کے پاس گئے تھے اور اسلامی حکومت کے مختلف شہروں میں حضرت عثمان کی طرف سے منصوب کئے گئے والیوں پر اعتراض کیا تھا۔ (طبری، تاریخ الامم و الملوک ، ج ۳، ص ۴۰۵)

اورمزید تاریخ طبری میں یہ بھی لکھا ہے کہ جناب محمد بن ابی بکر نے اپنے اعتراضات عثمان کے سامنے بیان کئے اور چلے گئے لیکن باقی افراد نے حضرت عثمان کا قتل کر دیا ۔ (طبری، تاریخ الامم و الملوک، ج ۳، ص ۴۱۵)

خلافتِ امیر المؤمنین علیہ السلام میں جنابِ محمد کا کردار:

جب حضرت عثمان کو قتل کیا گیا تو تمام مسلمانوں نے متفق ہو کر امیر المؤمنین علیہ السلام کے ہاتھوں بیعت کی اور آپؑ کو منصبِ خلافت پر بیٹھنے پر مجبور کر دیا اور جناب محمد بن ابی بکر امیر المؤمنین علیہ السلام کا ساتھ دینے والے خاص مسلح گروہ کے ساتھ ساتھ ہوتے تھے کہ جسے تاریخ میں شرطۃ

الخمیس کے نام سے نقل کیا گیا جو کہ امیر المؤمنینؑ کے ساتھ حکومتی امور کی ہمرکابی کے علاوہ حکومتی امور میں مدد کرتا تھا اور اس کے علاوہ اجرائے حدودِ الٰہی ، کوفہ کی امنیت ، آپؑ کی حفاظت جیسے اہم امور کو بھی یہ فورس انجام دیتی ہے ۔ (الخوئی، معجم الرجال ، ج۱۴، ص۲۳۰)

جنگ صفین میں محمد بن ابی بکر کا کردار :

جنگ صفین شروع ہونے سے پہلے محمد بن ابی بکر امام علی علیہ السلام کی طرف سے مصر کی گورنری پر فائز تھے لیکن جب جنگ کا آغاز ہوا تو قرائن و شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے جنگ صفین میں شرکت فرمائی جیسا کہ امام صادق علیہ السلام سے یہ روایت منقول ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا:

جنگ صفین میں قریش کے پانچ افراد حضرت علی علیہ السلام کے ہمراہ تھے ان میں سے ایک محمد ابن ابی بکر بھی تھے ۔ (رجال کشی ، ج۱، ص۲۸۱)

جناب محمد بن ابی بکر جناب حسنین کریمین علیہما السلام کے ساتھ امام علی علیہ السلام کی رکاب میں جنگ لڑ رہے تھے اور آپ اپنی فوج کے پیادہ نظام یا دوسرے قول کے مطابق فوج کے میسرہ کی کمانڈ کر رہے تھے ۔ (ابن حجر عسقلانی ، تہذیب التہذیب ج۹، ص۲۳۰)

کچھ تواریخ میں ہے کہ جنگ صفین کے خاتمے کے بعد امیر المؤمنین علی علیہ السلام نے محمد کو مصری گورنر کیا اور جن وہاں کچھ مشکلات پیش آئی تو امام نے محمد کی جگہ مالک اشتر کو گورنر معین کیا اور محمد ابی بکر کو خط میں یوں لکھا:

مجھ تک یہ خبر پہنچی ہے کہ آپ کی جگہ مالک اشتر کو مصر کا گورنر بنانے پر آپ افسردہ ہیں ، یہ کام اس لئے نہیں کیا کہ تمہیں اپنے فرائض کی ادائیگی میں سستی کرنے والا دیکھا یا یہ کہ تم سے زیادہ کی توقع رکھتا ہوں بلکہ اگر تمہارے ہاتھوں سے حکومت لی گئی تو اس لئے کہ تمہیں ایسی جگہ کی حکومت سونپ دوں جس کے انتظامات تمہارے لئے آسان اور وہاں پر حکمروانی کرنا تمہارے لئے زیادہ پسند ہے ۔ (نہج البلاغہ ج۳۴)

شہادت محمد بن ابی بکر:

آپ کی شہادت کے بارے میں مختلف اقوال پائے جاتے ہیں لیکن یہ بات متفق علیہ ہے کہ آپ کو حاکم شام کے لوگوں نے شہید کیا ، ایک قول کے مطابق حاکم شام کے ایک بندے نے آپ سے جنگ کی اور اپ شہید ہوئے ، ایک قول کے مطابق عمرو عاص نے گرفتار کرکے آپ کو شہید کیا اور گدھے کی کھال میں ڈال کر جلا دیا ۔ (طبری، تاریخ الامم و الملوک ج۴، ص۸۰، تاریخ ابن خلدون، ج۱، ص۶۳۴)

جب امیر المؤمنین نے اس المناک حادثے کی خبر سنی تو گریہ فرمایا اور یوں گویا ہوئے ؛

کا ن للہ عبدا صالحا و لنا ولدا صالحا محمد خدا کا صالح بندہ اور میرے لئے صالح بیٹا تھا ۔ (شوستری، مجالس المؤمنین ج۱، ص۲۷۸)

آپ کی والدہ ماجدہ حضرت اسماء بنت عمیس کے بارے میں ملتا ہے کہ محمد کی شہادت کے غم میں دنیا سے رخصت ہوئی ۔ (شرح نہج البلاغہ ، ج۶ص۸۸، ابن الحدید)

جناب محمد بن ابی بکر کی نسل میں جناب قاسم بن محمد بنی ابی بکر کا نام ملتا ہے جو امام زین العابدینؑ اور امام محمد باقرؑ کے خواص میں شمار ہوتے تھے اور انہی کی بیٹی ام فروہ سے امام محمد باقر علیہ السلام کا عقد ہوا تھا اور امام جعفر صادق علیہ السلام دنیا میں تشریف لائے تھے ۔ (ابن الحدید، شرح نہج البلاہ ، ج۳، ص۷۹۰)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سماحۃ آیۃ اللہ العظمیٰ المرجع الدینی الکبیر الشیخ بشیر حسین النجفی دام ظلہ الوارف

جنابِ حضرت عباس علیہ السلام کو الگ دفن کرنے کا کیا فلسفہ

جناب عباس علیہ السلام کو الگ دفن کرنے کے بارے میں بہت سارے اقوال ہیں لیکن صحیح یہ ہے کہ زخموں کی کثرت کی وجہ سے جناب عباس کا لاشہ اٹھانے کے قابل ہی نہ رہا تھا جس کے سبب لاش کو وہیں دفن کر دیا گیا ۔ واللہ العالم

سیرت امام زین العابدینؑ کی روشنی میں
دعاء کی اہمیت و آداب

مولانا علی حیدر

دعا عبد کا معبود کے ساتھ تعلق قائم رکھنے کا بہترین ذریعہ ہے۔اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگا جا سکتاہے کہ اللہ تعالیٰ نے کلام لاریب میں صراحت کے ساتھ دعاء مانگنے کا حکم دیا ہے اور قبولیت کی ضمانت بھی خود لی ہے۔انسان جب اس حقیقت کی جانب متوجہ ہوجاتا ہے کہ وہ کچھ نہ تھا عدم سے ایک حکیم و قادر ذات نے اسے وجود کی نعمت سے سرشار فرما کر پیدا کیا ہے۔دنیا میں انسان کی حول و قوۃ یہاں تک کہ پلک جھپک کے لئے بھی انسان اسی ذات قدیر و قادر کا محتاج ہے تو پھر انسان مصائب و مشکلات میں جب گرفتار ہوجاتا ہے تو اسی ذات کی طرف رجوع کرتا ہے۔اس کیفیت کو دعاء کہا جاتا ہے۔رشتہ عبد و معبود کو مستحکم کرنے کا ذریعہ دعاء ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا احسان عظیم ہے کہ اس نے انسان کو اپنی حقیقت پہچاننے کے لئے اور رب سے متمسک رہنے کے لئے دردعاء کو کھلا۔ اسی کے بارے امیر المومنینؑ کا ارشاد مبارک ہے:

خدا کے نزدیک افضل عبادت دعا ہے۔(کافی ج ۲ ص ۴۶۷)

اگرچہ دعاء کے بارے میں کئی آیات قرآنی اور احادیث ہیں لیکن یہاں سیرت امام زین العابدین کی روشنی میں اہمیت دعاء کے بیان پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

اہمیت دعاء سیرت امام زین العابدینؑ کی روشنی میں:

امامؑ کی زندگی سے جو انمول خزانہ ہمیں ملتا ہے وہ آپؑ کی معرفت بھری دعاؤں کا مجموعہ صحیفہ کاملہ ہے۔ اس کتاب میں امامؑ نے ہر قسم کے حالات، اوقات اور صورتوں میں پڑھی جانے والی دعاؤں کی تعلیم دی ہے۔اس کے مفاہیم اور متن سے توحید، نبوت اور امامت کے ساتھ دعاء کی اہمیت کا علم ہوجاتا ہے۔

جتنی دعائیں امامؑ سے وارد ہوئی ہیں وہ فقط تعلیم کی حد تک نہیں تھیں بلکہ امامؑ ان دعاؤں میں فنا نظر آتے ہیں۔

طاوس یمانی فرماتے ہیں کہ میں نے علی ابن الحسینؑ کو دیکھا عشاء سے لیکر صبح تک خانہ خدا کے گرد طواف کرتے رہے اور عبادت و مناجات میں مشغول رہے۔جب خلوت میسر ہوئی تو آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے فرمایا"خدایا ستارے چھپ گئے ہیں لوگ سو چکے ہیں تیرے دروازے التجا کرنے والوں کے لئے کھل چکے ہیں۔کہتے ہیں کہ مناجات کے دوران چند بار آپؑ گریہ فرمایا۔ پھر خاک پر گرپڑے اور سجدہ ریز ہوگئے میں نزدیک گیا اور آپؑ کا سر زانوں پر رکھ کر رونے لگا میرے آنسو آپؑ کے چہرہ پر گرے آپؑ ہوش میں آگئے۔ نام پوچھا تو میں نے اپنا نام بتایا۔ میں نے پوچھا مولاؑ آپؑ کا شجرہ نسب اعلیٰ ہے پھر بھی اس طرح دعاء کرتے ہیں؟ امام عالی مقام نے فرمایا "نسب کی بات چھوڑو خدا جنت اس شخص کے لئے خلق کیا ہے جو اس کا مطیع ہوا گرچہ وہ حبشی غلام ہی کیوں نہ ہوں۔(طہارت روح مرتضی مطہری ص ۲۷۴)

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امام دعاء سے کس قدر محبت کرتے تھے۔نیز اسی طرح کا واقعہ رسول ﷺ کی زندگی میں بھی ملتا ہے جب آپ ﷺ کی زوجہ نے دیکھا تو آپ ﷺ رات کی تاریکی میں اللہ کے ساتھ راز و مناجات میں مصروف تھے۔رسول اللہ ﷺ نے زوجہ کے سوال کے جواب میں فرمایا

"کیا میں خدا کا شاکر بندہ نہ بنوں۔(طہارت روح مطہری ص ۸۶۲)

امام سجاد علیہ السلام دعا کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں "خدایا میں تیرا وہ بندہ ہوں جسے تو نے دعا کا حکم دیا تو وہ لبیک لبیک پکار اٹھا۔ ہاں تو وہ میں ہوں اے میرے معبود! جو تیرے آگے خاک مزلت پر پڑا ہے۔ میں وہ ہوں جس کی پشت گناہوں میں بوجھل ہوگئی ہے۔(صحیفہ کاملہ گناہوں سے معافی کی دعاء)

اس دعاء سے معلوم ہوجاتا ہے کہ آپؑ کس قدر عاجزی کے ساتھ بارگاہ خدا میں قول خدا "ادعونی استجب لکم" پر عمل پیرا ہے۔

دعاء کی اہمیت اس طرح بھی واضح ہوجاتی ہے کہ آپؑ ہر حالت میں دعاء کرتے تھے یہاں تک کہ بیماری کے وقت یا کرب و اذیت کے وقت بھی دعاء ترک نہیں کرتے تھے:

اے میرے معبود! مجھے نہیں معلوم کہ ان دونوں حالتوں سے کونسی حالت پر تو زیادہ شکریہ کا مستحق ہے۔ کونسی زیادہ حمد کا لائق ہے۔(صحیفہ کاملہ ص ۵۶۱)

اس سے واضح ہوتا ہے کہ انسان کو ہر حال میں شکر خالق کرنے کے ساتھ ہر حالت میں رب سے تعلق قائم رکھنا چاہئے۔اللہ سے تعلق رکھنا خود انسان کی ضرورت ہے نہ کہ خدا کی۔

آداب دعا:

ہر چیز کی قدر و قیمت کا پیمانہ اگر ادب کو قرار دیں تو بیجا نہ ہوگا۔ تمام اعمال کیلئے دین مقدس اسلام میں آداب متعین ہیں۔ بے ادب آدمی نہ معاشرے کو قابل قبول ہے نہ خدا کو۔نماز جیسی عظیم عبادت بھی اگر بغیر آداب کے پڑھی جائے تو اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔لہٰذ دعا، نماز، معاملات، گویا ہر عمل کے آداب ہیں ان آداب پر عمل کرکے ہی ایک با ادب انسان بن سکتے ہیں۔سیرت امام سجاد علیہ السلام میں سے دعا کے جو آداب ملتی ہیں وہ درجہ ذیل ہیں۔:

۱:حمد و ثنا:

آداب دعاء میں سے بعض آداب آغاز دعا سے متعلق ہے اور دعا کے آغاز میں حمد و ثنا پر مشتمل الفاظ کا ہونا ضروری ہے تاکہ انسان کا قلب و ضمیر اس ذات کی تحمید و تمجید کے نتیجے میں جلالت و عظمت پیدا ہوجائے اور اس کے نتیجے میں انسان خدا کی جانب پوری توجہ سے متوجہ ہوسکے۔

سیرت سید الساجدین علیہ السلام سے اس حقیقت کا علم ہوجاتا ہے کہ امامؑ نے اپنی تمام دعاؤں کا آغاز حمد و ثنا پروردگار کیا ہے۔نمونے کے طور پر امامؑ کے چند جملوں کا ذکر کیا جاتا ہے:

☆"الحمد للہ الاول بِلا اول کان" (صحیفہ کاملہ ص ۳۹)

☆"الحمد للہ الذی من علینا بمحمد نبیہ ﷺ"(صحیفہ کاملہ ص ۲۰۱)

گویا امامؑ نے اپنی دعاؤں کا کثرت سے حمد ثنا سے آغاز کیاہے دعاء روز شنبہ یوم دو شنبہ، سہ شنبہ،روز چہار شنبہ،پنج شنبہ اور دعاء روز جمعہ کے آغاز حمد و ثناء پروردگار عالم سے کیا ہے۔

۲:درود و سلام:

دعاء سے قبل و بعد میں محمد و آل محمد ﷺ پر درودپڑھ کر درمیان میں دعاء کی جائے تو ایسی دعا اللہ تعالیٰ قبول کرتا ہے۔امیر المومنینؑ کا فرمان مبارک ہے کہ:

جب خدا سے طلب حاجت کرو تو پہلے رسول ﷺ و آل پر درود بھیجو پھر حاجت طلب کرو کیوں کہ اللہ اس سے بلند ہے کہ دو حاجتوں میں سے ایک کو پوری کردے اورایک کو روک دے۔

دعاء کے اس ادب کا امام زین العابدینؑ کی سیرت سے مستفاد ہوتا ہے کہ آپؑ نے اپنی دعاؤں بار بار محمد و آل محمد کو شامل کیا ہے۔

نمونے کے طور پر امامؑ کے چند جملوں کے ذکر پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

☆اللھم فصل علیٰ محمد امینک علیٰ وحیک و نجیبک من خلقک

اے اللہ! تو رحمت نازل فرما محمد اور ان کی اٰل پر جو تیری وحی کے امانتدار تمام مخلوقات میں تیرے برگزیدہ (صحیفہ کاملہ ص ۲۰۱)

☆اللٰھم صل علیٰ محمدو اٰل محمد واحفظنا من بین ایدینا۔۔۔۔

اے اللہ! تو رحمت نازل فرما محمد واٰل محمد پراورتمام جوانب سے ہماری حفاظت کر۔(صحیفہ کاملہ ص ۲۲۱)

امامؑ نے اپنی تمام دعاؤں میں محمد واٰل محمد ﷺ پر درود سلام کا ذکر کیا ہے۔ یہ آداب دعاء میں سے ایک اہم ادب ہے۔

۳:توسل:

آداب دعاء میں سے ایک ادب جو امام سجادؑ کی سیرت سے واضح ہوتا ہے دعاء کو کلمات توسل سے مزین کرنا ہے۔ امام موسیٰ کاظمؑ سے مروی ہے کہ آپؑ نے سماعہ سے فرمایا کہ حاجت طلب کرنے سے پہلے یہ کلمات توسل پڑھو تاکہ اللہ تعالیٰ تمہاری دعاء جلد قبول کرے۔

اللھمّ انیّ اسئلک بحق محمد و علیؑ فان لھما شانا من الشان۔۔۔۔۔۔۔ان تصلی علیٰ محمد و اٰل محم ﷺ

امام سید الساجدین علیہ السلام ایک دعاء میں اس طرح توسل فرماتے ہیں۔

اللھمّ فانی اتقرب الیک با لمحمدیۃ الرفیعۃ والعلویۃالبیضاء و اتوجہ الیک بھماان تعیذنی من شرک کذاکذا

☆اے اللہ محمد اورآل محمد ﷺ کی منزلت بلند پایہ اور علیؑ کے مرتبہ روشن کے واسطہ سے تجھ سے تقرب کا خواست گار ہوں اور ان دونوں کے وسیلہ سے تیری طرف متوجہ ہوں تاکہ مجھے تو ان چیزوں کی برائی سے پناہ دے جن سے پناہ مانگی جاتی ہے۔ (صحیفہ کاملہ ص ۲۴)

۴:توبہ و استغفار:

توبہ و استغفار کے نتیجے میں انسان دوبارہ قلب کی طہارت کی جانب آجاتا ہے اور انسان جب باطنی طہارت کے ساتھ دعاء مانگتا ہے تو اس دعاء میں اثر ہوتا ہے۔امامؑ کی زندگی سے اس ادب کا علم ہوتا ہے۔

صحیفہ کاملہ ص ۱۹۰ میں امامؑ دعاء میں استغفار کا ذکر اس طرح کرتا ہے۔

☆بار الہا! میں تیری مغفرت کی جانب آیا ہوں۔ اور تیری معافی کا طلب گار اور تیری فضل پر بھروسہ رکھتا ہوں۔ میرے پاس کوئی ایسی چیز نہیں جو میرے لئے مغفرت کا باعث بن سکے۔

اسی طرح امام زین العابدین علیہ السلام کی دعاء توبہ کہ جس میں توبہ و مغفرت کا ذکر آرہاہے۔

☆اے اللہ اگر تیری بارگاہ میں ندامت و پیشمانی ہی توبہ ہے میں سب سے زیادہ پیشمان ہوں۔ (صحیفہ کاملہ ص ۲۵۷)

۵:خوف و رجا:

دعا کے آداب میں سے ایک اہم ادب خوف و رجاکے ساتھ دعا کرناہے۔امامؑ کی دعاؤں میں خوف و رجا دونوں پائے جاتے ہیں۔اس حقیقت کا اظہار درجہ ذیل دعاؤں میں نظر آتا ہے۔

☆اے اللہ! میں توبہ پر قائم نہیں رہ سکتا مگر تیری ہی نگرانی سے اور گناہوں سے باز نہیں آسکتا مگر تیری ہی قوت و توانائی سے اس میں امید و رجا دونوں نظر آتے ہیں۔ توبہ پر قائم نہ رہنے کا خوف اور خدا ہی کی ذات کا اس سے بچانے کی امید۔(صحیفہ کاملہ ص ۲۵۵)

☆اے وہ جو امید واروں کی امید کا مرکز ہے۔ اے وہ جس کے ہاں نیکو کاروں کا اجر ضائع نہیں ہوتا۔اے وہ جو عبادت گزاروں کے خوف کی منزل منتہا ہے۔ اے وہ جو پرہیز گاروں کے بیم و ہراس کہ حد آخر ہے۔(صحیفہ کاملہ ص ۲۵۱)

اس دعا میں ہر جملے و الفاظ سے خوف رجا کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے۔

☆امید وار تجھ سے محروم نہیں رہتے اور طلب گار تیری عطا و بخشش سے مایوس نہیں(صحیفہ کاملہ ص ۲۵۷)

۶:مبغوض مولیٰ سے پرہیز:

آداب دعاء میں سے ایک اہم ادب مبغوض مولیٰ سے پرہیز کرنا ہے۔ انسان جب کسی کے پاس جاتا ہے تو اپنا رویہ اس کی مرضی کے مطابق بناکے جاتا ہے۔ اسی طرح انسان جب خدا کی باگاہ میں جاتا ہے تو ایسا بن کے جائے جو رب کی رضا کے مطابق ہو۔اس حقیقت کا اظہار امام زین العابدین علیہ السلام کی دعاؤں میں بدرجہ اتم نظر آتا ہے۔

☆جب تک میری زندگی تیری اطاعت و فرمانبرداری کے کام آئے مجھے زندہ رکھ اور جب وہ شیطان کی چراگاہ بن جائے تو اس سے پہلے کہ تیری ناراضگی سے سابقہ پڑے مجھے اپنی طرف اٹھا لے۔(صحیفہ کاملہ ص ۱۸۷)

☆اے پروردگار! میں تجھ سے یہ اقرار کرتا ہوں کہ تیری ناپسندیدہ باتوں کی طرف رخ نہیں کروں گا اور یہ قول و قرار کرتاہوں کہ قابل مذمت چیزوں کی طرف رجوع نہ کروں گا۔(صحیفہ کاملہ ص ۲۵۴)

امام سید الساجدین نےؑ اس دعا (دعائے توبہ) میں جگہ جگہ نافرمانی مولیٰ سے بچنے اور گناہوں سے تائب ہونے کا ذکر کیاہے۔

7:خدا سے دائمی تعلق:

احادیث میں بار بار باب الٰہی پر دستک دینے کی تاکید کی گئی ہے۔اس ادب کا سبق امامؑ کی سیرت سے واضح ہوتا ہے۔ امامؑ ہر حال میں خدا سے اپنے تعلق کا اظہار کرتے ہوئے بیماری، صحت مندی ہر حال میں خدا کا شکر بجا لا رہا ہے۔اور ہر حالت میں امام کا خدا سے تعلق نظر آتا ہے۔امامؑ کی دعا (بیماری یا کرب میں مبتلا) میں اس حقیقت کا اظہار نظر آرہا ہے۔

اے اللہ ان دونوں حالتوں میں سے کونسی حالت پر تو شکر کا زیادہ مستحق ہے اور ان دونوں وقتوں میں سے کونسا وقت تیری حمد ثنا کے زیادہ لائق ہے(صحیفہ کاملہ ص ۱۶۵)

الغرض امام سیدا لساجدینؑ کی سیرت سے آداب دعا کے کئی پہلو نظر آتے ہیں لیکن یہاں اس حوالے سے طالب علمانہ ایک کوشش کی ہے پروردگار عالم بصدقہ ائمہ اظہار قلم کی طاقت کو دین اسلام وائمہ کی سیرت شناسی کے لئے صرف کرنے کی توفیق عطا فرمائے(آمین)

اللھم صل علی محمد وآل محمد وعجل فرجھم

آفاق ذریعہ معرفت

مولانا عزیز افضل نجفی

اللہ تعالی نے دو کتابیں تالیف کی، ایک کتاب تدوینی ہے جسے القران الکریم کہتے ہیں، ایک کتاب تکوینی ہے جسے کائنات کہتے ہیں ،ان دونوں کتابوں کو فصیح و بلیغ لغت میں ڈال دیا جس طرح کتاب تدوینی ،حروف وکلمات اور پڑھے جانے والے جملوں پر مشتمل ہے اسی طرح کتاب تکوینی عناصر وذرات اور مرکبات پر مشتمل ہے گویا پروردگار نے عناصر کو حروف کا درجہ دیا ،ذرات کو کلمات کا مرتبہ دیا اور مرکبات کو جملوں کا رتبہ دیا ،جس طرح اس میں فصاحت و بلاغت کا خیال رکھا، اسی طرح اس کو نظامِ کائنات سے فصیحٗ وبلیغ کیا جس طرح کلمات، اپنے سینۂ صَدف میں معانی کے گوہر رکھتے ہیں اور ہر معنی اپنے اندر ایک چھپی ہوئی حقیقت رکھتا ہے۔ اسی طرح مرکبات اپنے اندر معنی رکھتے ہیں اور ہر معنی اپنے اندر ایک مخفی حقیقت رکھتا ہے یہ حقیقت غیر مادی ہے ،اس کا ادراک صرف وہی طالب حق کر سکتا ہے جس کا دل ذکی ،جس کی گفتار سلیم ہو اس لئے کہ اس کا مخاطب انسان ہیں بلکہ نفس بشریت میں، زندہ ضمیر اور انسانی اسرار مخاطب ہیں۔

ہمارا دعویٰ ہے کہ اس کتاب کا طالب اور مفکّر، باضمیر، زندہ دل اور ذہین انسان ہے ،اس دعوی پر دلیل یہ ہے کہ مِثل مشہور جتنے منہ اتنی باتیں کےزیرسایہ جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ غبی شخص اس کے ادراک سے تہی دامن ہے۔

کیوں کہ جو افراد کائنات کو صرف ایک وہم و خیال سے تعبیر کرتے ہیں وہ گمراہی اور اجڈ پن میں ہیں، یہ لوگ حقیقت سے دور ہیں۔ بلاشک و شبہ یہ کائنات، مستقل وُجود رکھتی ہے۔ یہ روز روشن کی طرح واضح ہے۔

اور جو افراد اس کائنات کے وُجود کے قائل ہیں لیکن اس کے وجود کو بغیر علت و سبب کے مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ کائنات اچانک (صدفۃ) وجود میں آگئی ہے۔ ایسے لوگ ضلالت و گمراہی میں مبتلا ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ کائنات کا نظم وضبط، حکمت ،علم ،قدرت اور ادراک کا محتاج ہے، یہ سب امور ایک مادہ سے صادر نہیں ہو سکتے کیونکہ مادہ، علم و قدرت اور ادراک سے تہی دامن ہے اور یہ بات مسلم ہے۔

اورجوافراد کائنات کے ازلی ہونے کے قائل ہے یعنی یہ کہتے ہیں کہ یہ کائنات ہمیشہ سے ہے اس کی کوئی ابتدا نہیں ہے تو ایسے لوگ باطل پر ہے اور ہمارے لیے جدید علم (سائنسی علم)کا انکشاف ان کے نظریے کو باطل کرنے کے لیے کافی ہے سائنس نے بتایا ہے کہ ابھی تک انسان نے جن عناصر کی کھوج لگائی ہے تعداد ۹۴ قدرتی اور اس پر اضافہ غیر قدرتی کو شامل کیا جائے تو ۱۰۲ یا اس سے کچھ زیادہ ہے کہ جن کے مرکب سے مل کر ہی مادہ وجود میں آتا ہے ماہرین سائنس نے بہت زیادہ تحقیق اور باریک بینی سے جو نتیجہ اخذ کیا ہے وہ یہ ہے کہ یہ عناصر فنا ہو جائیں گے (فنا سے مراد یہ ہے کہ اپنی حالت پر باقی نہ رہے گے) بعض تیزی سے فنا ہو رہے ہیں اور بعض آہستہ آہستہ منزل فنا کی طرف گامزن ہے تو پس اسی علم کی روشنی میں ان ماہرین سائنس نے یہ بتایا کہ اس کائنات کی ابتدا ہے اور اس کی انتہا ہے یعنی یہ کائنات نہ ازلی ہے اور نہ ہی ابدی ہے اور ایک عرصے بعد یہ کائنات فنا ہو جائے گی بلکہ اس کی عمر بھی محدد کی گئی ہے اس کی عمر پہلے پانچ بلین سال کے لگ بھگ بتائی جاتی ہے۔

سابقہ نظریات کے بطلان کے بعد ہم کہتے ہیں کہ ضروری ہے، اس کائنات کے لئے ایک ہی خالق ہو جو کہ ازلی ہو کہ جس کی کوئی ابتدا نہ ہو، علیم ہو کہ جس نے ہر چیز کا احاطہ کیا ہو ،قوی ہو کہ جس کی قدرت غیر محدود ہو ضروری اور لازم یہ ہے کہ یہ کائنات ایسی صفات مذکورہ رہنے والی ذات کے ہاتھوں بنی ہو۔

کیونکہ جب یہ کائنات مادی خود اپنی ذات کو خلق کرنے سے عاجز ہوں یا قوانین بنانے اور ان پر پابند رہنے سے عاجز ہوں تو ماننا پڑے گا کہ اس کی خلقت ایک غیر مادی وجود کی قدرت کا کرشمہ ہے بلکہ تمام شواہد بتاتے ہیں کہ خالق کائنات عقل و حکمت و ارادہ وغیرہ صفات سے متصف ہے تو بس حتمی و منطقی نتیجہ کہ ہمیں اس کائنات کا کوئی خالق (جیسا بھی ہو) نہیں ماننا ہے بلکہ عقل کے نزدیک ضروری ہے کہ وہ ہی خالق ہو جو حکیم ،علیم اور ہر چیز پر قادر ہو تاکہ ہر چیز کو خلق کرسکے ،اس میں نظم و ضبط قائم کرسکے ،اس میں تدبیر کرسکے اور اسے دائمُ الوجود ہونا چاہیے اور اس کی نشانیاں ہر جگہ جلوہ گر ہو۔

بلاشبہ اللہ سبحانہ وتعالی پر ایمان اور طریقِ معرفت کتاب تکوینی کے مطالعہ اور غور و فکر سے ہےماہرین سائنس صرف اپنے وظیفہ اور اختصاص سے متعلقہ امور میں ہی توجہ دیتے ہیں اس کے علاوہ فکرو تامل نہیں کرتے چونکہ وہ آفاق یعنی زمین وآسمان کے اساسی موضوع پر فکر کررہے ہیں تو وہ لاشعوری حالت میں اللہ تعالی کی معرفت اور اس پر اعتقاد کی طرف بڑھ رہے ہیں ،جس نے بھی کہا بالکل سچ کہا ہے کہ (العلم یدعو الی الایمان) یعنی علم ایمان کی طرف بلاتا ہے

اب تک کہ ہماری گفتگو میں، ہم نے خالق حقیقی کی معرفت کا طریقہ، کائنات میں غوروفکر بتایا۔ جسے ہم نے کتابِ تکوینی سے تعبیر کیا اور اس میں فکر کرنے والے کو طالب حق سے۔یہ ثابت کیا کہ کائنات نا تو وہمی ہے اور نہ بغیر سبب و علت کے وجود میں آئی اور نہ ہی کائنات ازلی ہے بلکہ یہ کائنات اس طرح مستقلہ وجود رکھتی ہے کہ اس کا بنانے والا علیم و حکیم قدیر علی کل شی ہےاور یہ کتاب تکوینی حادث ہے۔

اہم سوال اسی مقام پر کہ ہم اس کتابِ تکوینی کا مطالعہ کس طرح کریں؟

پہلا نظریہ:

بعض لوگوں کا ماننا ہے کہ حواس خمسہ اس سوال کا جواب ہے ۔جس چیز کا ادراک حواس سے کیا جائے بس وہی حقیقت ہے اس کے علاوہ باقی سب کچھ وہم وخیال ہے گویا یہ اپنے نظریات کی خارجی مشاہدات، حسی تجربات اور محسوسات پر بنیاد رکھتے ہیں، اس لئے وہ حواسِ خمسہ ہی کو اولین ذریعہ علم سمجھتے ہیں۔ وہ شعور اور روح کو بھی مادیت ہی کے تابع قرار دیتے ہیں۔

یہ کہتے ہیں کہ عقل تن و تنہا یا حواس سے مل کر بھی کسی چیز کا ادراک کریں تو حقیقت نہیں۔۔ مثال کے طور پر ہم کائنات کے وجود کا تصور کرتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں تو یہ تصور ان کے مطابق بالکل درست ہے کیونکہ حواس ہی وہ وحید ذریعہ ہے جو کائنات کے وجود کا ادراک کر رہا ہے لیکن جب ہم کائنات کے خالق کے وجود کا تصور اور ایمان کی بات کرتے ہیں تو یہ ان کے مطابق وہم و خیال سے زیادہ کچھ نہیں کیونکہ عقل کو جزوی یا کلی طور پر واسطہ اور ذریعہ بنایا جانا ان کے مطابق درست نہیں ہیں اور چونکہ خالق کی معرفت کے لیے عقل کو دخالت حاصل ہے اور قاعدہ علت و معلول کے تحت کا لحاظ کیاگیا ہے تو پس یہ انکے اعتقاد کے مطابق وہم و خیال ہے۔

مشہور ان کی عبارت ہے (لو اقفل باب الحواس لامتنعت المعرفة كلها)

اگر حواس کا باب بند ہوجائے تو تمام معرفت وآگاہی کا حصول ختم ہو جائے گا دوسرے لفظوں میں کہا جائے تو یہ لوگ ظاہر بین ہیں۔ ان کا دائرہ کار معرفت محدود ہے گویا ایسے افراد غیب کے منکر ہیں۔

مادہ پرستوں کی نگاہ میں ہمارا ذہن ہماری پیدائش کے وقت اُس سلیٹ کی مانند ہوتا ہے، جس پر ابھی کچھ لکھا نہ گیا ہو۔ جوں جوں ہم اردگرد کی چیزوں کو دیکھتے، سنتے، چھوتے، چکھتےاور سونگھتے ہیں، توں توں ہمارے دماغ پر اُن کے خواص کے محسوسات پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ یہ محسوسات اورتصورات بعدازاں حافظے اور خیالات کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ چونکہ صرف مادی اشیاءہی ہمارے احساسات اورتصورات کا سبب بنتی ہیں، اس لئے مادہ ہی ہماری معلومات کا اولین اور لازمی سرچشمہ ہے۔ مادہ پرست شعوراور عقل کو بھی مادے کی کرشمہ سازی کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔ اس نقطہء نظر سے عالمِ محسوسات سے ماورا اشیاءاور حقائق، مثلاً روح، حیات بعد الممات، وحی و الہام اور خدا، ان کی رائے میں کوئی اہم اور مستقل حیثیت نہیں رکھتے۔

ہم ان کا جواب دیتے ہیں:

اولا:ان لوگوں کے پاس کیا دلیل ہے کہ معرفت کا ذریعہ اور واسطہ سوائے حواس کے کچھ نہیں ہے؟ صرف حواس کے ذریعے ہی معرفت ہوسکتی ہے کس بنیاد پر؟اس کے علاوہ معرفت کیوں ممکن نہیں؟

چونکہ معرفت کا ذریعہ اور طریق ، حواس میں منحصر کرنا بذات خود غیر محسوس امر ہے تو کس طرح یہ لوگ اس کے انکاری ہیں جبکہ اپنا دعوی اور نظریہ غیر محسوس رکھتے ہیں ! تو پھر کس طرح سے اس حقیقت کے انکاری ہیں؟

ثانیا:چونکہ افراد مختلف ہیں تو نتیجہ کے طور پر حواس بھی مختلف ہیں بلکہ یہ کہنا بے جا نہیں کہ ایک ہی فرد کے احوال کے مختلف ہونے کی وجہ سے حواس مختلف ہوتے ہیں۔ اگر معرفت وآگاہی کا ذریعہ اور حصول صرف حواس ہو تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ معرفت، خاص اور شخصی (جزوی) ہو جائے گی، گویا قواعدکلیہ سے تہی دامن! اس کا لازمہ علوم کا انکار ہے۔ کیونکہ علوم قواعد کلی دیتا ہے۔

ثالثا: ہم ڈاکٹر فواد کی کلام نقل کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ سائنسی ماہرین نے اس زمانے سے وہ چیزیں اپنی عقول کے ذریعے دیکھی ہیں جو اپنی آنکھوں یا فوٹوگرافی کے ذریعے نہیں دیکھ سکتے اور جن چیزوں کے اسرار (ان ماہرین پر)

پوشیدہ تھے (انھوں نے اسے) جدید فھم کے طور پر حاصل کرلیا ہے۔

پس جو لوگ طریقِ معرفت صرف حواس میں منحصر سمجھتے ہیں وہ حقیقت سے دور ہیں۔ جن کی وضاحت ہم نے مختصر انداز میں پیش کردی ہے

دوسرا نظریہ:

کچھ لوگوں کا ماننا ہے کہ عقل جس چیز کا ادراک کرے وہ ہی چیز اپنا وجود رکھتی ہے ایسے لوگ گویا ہر اس چیز کو مستحیل سمجھتے ہیں جن کو عقل درک نہیں کرتی یعنی یہ افراد صرف عقل کو ہی طریق معرفت سمجھتے ہیں۔ ان کے بارے میں یہ کہوں تو بے جا نہ ہوگا کہ ایسے افراد آشکار و واضح اور بدیہی حقیقت بلکہ خارجی واقعیت کے منکر ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ عقلِ انسانی کا ظرف وجود انسان ہے اسکا کام ادراک ہے۔ جو چیز ادراک کے دائرہ کار میں نہ آئے وہ (ان کے مطابق) وجود نہیں رکھتی..! یہ کتنا ہی کمزور اور ضعیف دعویٰ ہے۔

ان کے دعوے کے کمزور ہونے کی وضاحت:

ہر انسان کی عقل دوسرے انسان سے جدا ہے تو نتیجہ کے طور پر ادراک بھی جدا ہوگا،ان کے دعوی کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ کہا جائے تو بعید نہیں ہے کہ ہر بندے کی دنیا الگ ہے جس کو کوئی عاقل تسلیم نہیں کرتا۔

ثانیا:چونکہ عقل کا ظرف وجود انسان ہے جبکہ کائنات انسان کے وجود سے باہر ایک واقعیت حقیقت ہے اس کے وجود کا عقل یا اس کے ادراک پر موقوف ہونا ایک لایعنی کلام کے مترادف ہے۔

ثالثا: ایسے افراد گویا چیزوں کے ادراک کو خالق و موجد کا قائم مقام بناتے ہیں یہ واضح البطلان ہے۔

پس خلاصہ یہ ہوا کہ کتاب تکوینی یعنی عالم خارجی ایک مستقل وجود رکھتی ہے اور اپنے نظام کے قوانین رکھتی ہے جس کا،انسان یا اس کے ادراک سے کوئی واسطہ نہیں اور نہ ہی کسی قسم کا فائدہ اٹھانے سے کوئی تعلق ہے۔

جب یہ نظریہ باطل ہو گئے تو یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوگئی ہے کے طریقِ معرفت کے حصول کے لیے ہم حواس اور عقل دونوں ہی کی طرف محتاج ہیں یعنی دونوں ہی طریقِ معرفت ہو سکتے ہیں اور کسی ایک میں اسکا منحصر کرنا باطل ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سماحة آية الله العظمى المرجع الديني الكبير

الشيخ بشير حسين النجفي

دام ظله الوارف

عزاداری نماز کی عبادت کے ساتھ ساتھ

مجالس اور ماتمی جلوسوں کے اوقات اس طرح سے محدود اور معین کیے جائیں کہ ان کا دین کے بنیادی واجبات مثلا نماز وغیرہ سے ٹکراو نہ ہو۔ پس ضروری ہے کہ عزاداری کی عبادت کو نماز کے اول وقت سے پہلے مکمل کر لیا جائے یا پھر اول وقت میں نماز ادا کرنے کے بعد شروع کیا جائے اور اگر عزاداری کے جلوس کے دوران نماز کا وقت ہو جاتا ہے تو انجمن کے منتظمین کے لئے ضروری ہے کہ وہ جلوس کو روک کر، وہیں اول وقت میں نماز ادا کریں اور پھر سے عزاداری جاری کریں تاکہ حسینی شعائر اور انقلابِ حسینی کے اصل اہداف و مقاصد معلوم ہو سکیں۔
سید الشھداء سلام اللہ علیہ نے فقط اور فقط دین اور سید المرسلین ؐ کی شریعت کے قیام اور اس کو باقی رکھنے کے لئے تمام مصائب برداشت کیے اور اتنی عظیم قربانیاں پیش کیں۔ سید الشھداء سلام اللہ علیہ فرماتے ہیں:

الاترون ان الحق لا يعمل به و ان الباطل لا يتناهى عنه ليرغب المومن فى لقاء الله محقا'

یعنی: کیا تم دیکھ نہیں رہے کہ حق پر عمل نہیں ہو رہا اور نہ باطل سے کسی کو روکا جارہا ہے کہ مومن خدا سے حقیقی ملاقات کو دوست رکھے۔
پس جو شخص بھی نماز کو ترک کرتا ہے چاہے وہ شعائر حسینی کی خاطر ہی کیوں نہ ہو اس کا سید الشھداء علیہ السلام کے خدام اور نوکروں کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے کیونکہ امام حسین علیہ نے تمام تر قربانیاں شریعت کو بچانے اور قائم کرنے کی خاطر دیں اور ہماری عزاداری کا مقصد بھی انقلاب حسینی اور شریعت کو قائم رکھنا ہے اور نماز شریعت کا اہم اور بنیادی رکن ہے لہٰذا جو نماز کو ترک کرتا ہے عزاداری کے اصل مقصد کو ختم کرنا چاہتا ہے۔

مرجع عالی قدر دام ظلہ سے پوچھے گئے سوالات اور ان کے جوابات

ترتیب: مولانا محمد مجتبیٰ نجفی

سوال: حضرت فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا کی شہادت کے ایام میں سیاہ لباس پہننے کا کیا حکم ہے جبکہ بعض جگوں میں دس دن تک شہادت کا سوگ منایا جاتا ہے؟

جواب: بسمہ سبحانہ! اگر اس کا مقصد شعائر کی تعظیم ہو یعنی رسول خدا (ص) کی اکلوتی بیٹی کی شہادت پر حزن و ملال کے اظہار کے لئے سیاہ لباس پہننا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ دنیا کے اکثر ملکوں میں سیاہ کپڑے پہننا حزن و اظہار ہمدردی کی علامت سمجھا جاتا ہے پس اس اعتبار سے یہ شرعی طور پر مرغوب اور باعث ثواب عمل ہے۔ واللہ الھادی

سوال: جناب عالی لوگوں کا آئمہ علیہم السلام کی ضریحوں کے گرد طواف کرنے اور اپنے جسم کو ضریح کے ساتھ مس کرنے کا کیا فائدہ ہے؟ میں سمجھتا ہوں کہ اس کا کوئی فائدہ نہیں اور اسی طرح یہ لوگ یا علی یا حسین کہتے ہیں اور یا اللہ نہیں کہتے میں اس کو خدا کے ساتھ شرک اور گناہ کبیرہ شمار کرتا ہوں پس یہ لوگ آئمہ علیہم السلام کی پوجا کرتے ہیں۔ اس بارے میں ہمیں اپنا فتوی دے کر ممنون فرمائیں؟

جواب: بسمہ سبحانہ! میں آپ سے سوال کرتا ہوں کہ خانہ کعبہ کے گرد طواف کرنے کا کیا فائدہ ہے؟ کیا خانہ کعبہ اور اس کی دیواروں کی اس عمل کے ذریعے پوجا کرتے ہیں نعوذ باللہ کعبہ خدا ہے؟ کیا حجر اسود کو بوسا دینا نعوذ باللہ خدا کو بوسا دینا ہے؟ کیا کعبہ کی دیواروں کو مس کرنا خدا کو مس کرنا ہے۔ آپ ان تمام اعمال پر شرک کا حکم کیوں نہیں لگاتے اور یہ جان لیجئے کہ عبادت نام ہے خدا کو خدا کہنے اور عبودیت کے اقرار و اظہار کا تو کیا آپ نے کوئی ایسا شیعہ دیکھا ہے جو معصومین علیہم السلام کو خدا سمجھتا ہو ضریح کے گرد تو طواف وہ فقط و فقط وہاں مدفون امام کے ساتھ تعلق اور اس سے عقیدت و محبت کے اظہار کے لئے کرتے ہیں۔ آئمہ علیہم السلام سے مروی شدہ روایات میں اہلبیت رسالت اور آئمہ معصومین علیہم السلام کی قبروں اور ضریحوں کا بوسہ لینے کی اجازت دی گئی ہے اور آئمہ اطہار ہمیں وہی حکم دیتے ہیں جو ان کے جد امجد رسول اسلام (ص) کا حکم ہو اور شرک سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کو خدا کا نظیر اور ہم مثل قرار دے اور وہ صفات جو اللہ کے ساتھ خاص ہیں انہیں کسی اور کے لئے ثابت کرے اگر فقط بوسہ لینا شرک ہے تو انسان اپنی اولاد کا بوسہ لیتا ہے تو مشرک ہو جاتا ہے۔ واللہ العالم

سوال: زیارت وارثہ میں مذکور ہے السلام علیکم و علی اجسامکم و علی اجسادکم یعنی آپ پر اور آپ کے اجساد اور اجسام پر سلام ہو جسم اور جسد میں کیا فرق ہے؟

جواب: بسمہ سبحانہ! جسم لغت میں اسے کہا جاتا ہے کہ جس کو لمبائی چوڑائی اور اونچائی میں تقسیم کیا جاسکے اور چاہے اس کے کتنے ہی حصے اور ٹکڑے ہو جائیں ان ٹکڑوں کو جسم کہا جائے گا۔ عربی لغت لکھنے والوں کے مطابق مثلاً خلیل فراھیدی کے مطابق جسد جسم کے ساتھ خاص ہے جسد کا اطلاق فقط مکمل انسانی جسم پر ہوتا ہے اور مکمل انسانی جسم کے علاوہ کسی بھی چیز کو جسد نہیں کہا جاسکتا۔ اسی طرح بعض دفعہ جسد اسے کہتے ہیں جس کا کوئی رنگ ہو اور جسم اسے کہتے ہیں جس کا کوئی رنگ نہ ہو جیسے ہوا اور پانی وغیرہ۔ والسلام

سوال: امام حسین علیہ السلام کے بیٹوں کے بارے میں تو ہم جانتے ہیں کہ وہ کربلا میں ان کے ساتھ شہید ہوئے اور تاریخ و مقتل کی کتابوں میں ان کا ذکر بھی موجود ہے لیکن حضرت عباس علیہ السلام کے بیٹوں کے بارے میں کتابوں میں خاص مذکور نہیں ہے تو پس کیا وہ حضرت عباس علیہ السلام کے ساتھ میدان کربلا میں تھے یا پھر مدینہ میں؟

جواب: بسمہ سبحانہ! کتاب نور العین فی مشھد الحسین میں مذکور ہے کہ حضرت عباس کا ایک بیٹا کہ جس کا نام قاسم تھا وہ اپنے بابا کی شہادت کے بعد اپنے چچا امام حسین علیہ السلام کی نصرت و تائید میں شہید ہوا اور اسی جانب اس زیارت میں اشارہ موجود ہے کہ جو زیارت رسول خدا (ص) کے جلیل القدر صحابی حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری سے مروی ہے اور اسی طرح یہ بھی کہا گیا ہے کہ کربلا میں شہید ہونے والے حضرت عباس علیہ السلام کے بیٹے کا نام محمد تھا اس رائے کو میرے بھائی سید حسین بحر العلوم نے اپنے والد کی کتاب مقتل الحسین کے حاشیہ میں بہتر قرار دیا ہے۔ واللہ العالم

سوال: کیا ناپاکی کی حالت میں تابوت اور علم کو ہاتھ لگایا جا سکتا ہے؟

جواب: بسمہ سبحانہ! اگر ایسا کرنے سے علم کی ہتک ہو تو ایسا کرنے سے

گریز کیا جائے اور اسی طرح نیاز کے بارے میں بھی یہی حکم ہے ۔ واللہ العالم

س: کیا مجلس حسین علیہ السلام پڑھنے والے کے لئے جائز ہے کہ وہ مجلس پڑھنے کے لئے ایک خاص مقدار میں پیسے لے؟

جواب:: اس مسئلے کی چند صورتیں ہیں ۔

ا۔ مجلس پڑھنے والا اس خاطر پیسے طلب کرے کہ سننے والوں کی نظر میں اس کی اہمیت واضح ہو تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ مجلس اور وعظ ونصیحت سننے کے لئے آئیں اور وہ خطیب زیادہ سے زیادہ لوگوں کو علمی اور دینی فائدہ پہنچا سکے اور لوگوں کو بھی اس سے اس قسم کا فائدہ حاصل کرنے کا موقع میسر آئے پس اگر اس کی اس طرح کی نیت ہو تو اس صورت میں اس کے لئے پیسے لینا جائز اور مباح ہیں۔

۲۔ مجلس پڑھنے والا ''اپنے مجلس پڑھنے کے عمل'' کو ایسا کام یا فعل قرار دے کہ جس کے لئے پیسا دیا جاتا ہے جس طرح سے ہر مباح کام کے لئے اجیر یا مزدور لایا جاتا ہے اور اس کو اس کام کے بدلے طے شدہ پیسے دیے جاتے ہیں مثلاً مسجد کی تعمیر ، کسی روضہ کی تعمیر وغیرہ کے لئے کسی کو اجیر بنانا دوسرے الفاظ میں اگر مجلس پڑھنے والا اپنے آپ کو اجیر قرار دے مجلس پڑھنے کے عمل کو وہ اپنا کام قرار دے کہ جس کے لئے وہ اجیر ہے اور اس کے بدلے پیسوں کو اجرت قرار دے تو ایسی صورت میں بھی اس کے لئے پیسے طلب کرنا مباح ہے لیکن ایسی صورت میں مجلس پڑھنے والا ان پیسوں کے علاوہ ثواب کا مستحق نہیں۔ ہاں البتہ وہ اگر اس مجلس کے علاوہ کوئی ایسا کام بھی کرتا ہے کہ جو اہلبیت علیہم السلام کی خدمت شمار ہوتی ہے تو اسے اس زائد عمل کا ثواب ملے گا۔

۳۔ نعوذ باللہ اگر کوئی شخص سانحہ کربلا اور امام حسین علیہ السلام اور باقی معصومین علیہم السلام کے بارے میں مجلس پڑھنے کو شہرت اور لوگوں کے دلوں میں ہیبت وغیرہ کے لئے وسیلہ قرار دے تو یہ عمل حرام ہے اور جو اجرت اور پیسے وہ لیتا ہے وہ محل اشکال اور مشکوک ہیں اور احوط یہ ہے کہ ان پیسوں کا استعمال جائز نہیں۔ چاہے لوگ اسے اہلبیت علیہم السلام کا مخلص ہی سمجھتے ہوں اور وہ بھی لوگوں کو اہلبیت علیہم السلام کی طرف دعوت دیتا ہو۔ واللہ العالم

سوال: اگر انسان عاشورہ کے دن کام کرنے پر مجبور ہو تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے اور اسے کیا کرنا چاہیے؟

جواب: بسمہ سبحانہ ! ایسی حالت میں کام کے لئے جانا جائز ہے۔ عاشورہ کے دن مارکیٹوں اور دکانوں کو سید الشہداء علیہ السلام کے مصائب پر حزن و ملال اور غم و الم کے اظہار کے لئے بند کیا جاتا ہے، عاشورہ کے دن کسب مال کرنا شدید مکروہ ہے لیکن اگر انسان انتہائی مضطر اور مجبور ہو تو کراہت ختم ہو جاتی ہے۔ واللہ العالم

سوال: بہت سے شیعہ اس بات کا دعوی کرتے ہیں کہ معصومین علیہم السلام تمام مجالس عاشورہ میں شرکت کرتے ہیں کیا یہ بات درست ہے؟

جواب: بسمہ سبحانہ ! بعض روایات اس بات کی تصدیق کرتی ہیں کہ معصومین علیہم السلام مجالسِ عزا میں شریک ہوتے ہیں اور کسی کو یہ بات شک و شبہ میں مبتلاء نہ کرے کہ ایک شخص ایک ہی وقت میں اتنے زیادہ مقامات پر کیسے حاضر ہو سکتا ہے ۔یہ سوال اس وقت درست ہے کہ جب ایسے شخص کی بات ہو جو اس طبیعی عنصری مادی جسم کی قید میں ہو لیکن جب بات غیر مادی ،نوارنی اور برزخی جسم کی ہو تو اسے زماں و مکاں کی دیواریں ایک ہی وقت میں متعدد مقامات پر حاضر ہونے سے نہیں روک سکتیں۔ واللہ العالم

فرزندِ مرجعیت پیدل کربلا کا سفر کرنے والوں کے ساتھ

آیت اللہ العظمیٰ شیخ بشیر حسین نجفی دام ظلہ کے فرزند شیخ علی نجفی حفظہ اللہ نے پیدل کربلا جانے والے زائرین کے ساتھ مل کر سفرِ عشق کیا۔ بصرہِ حمزہ شرقی، ام حبیبات، دیوانیہ، سدیر اور عراق کے باقی علاقوں سے آنے والے زائرین کے ساتھ سفر کربلا میں شریک ہوئے اور یہ وہ سفر ہے جس میں نواسہ رسول ﷺ سے محبت کرنے والا ہر شخص اپنے اہل و عیال اور بچوں کے ساتھ پیدل کربلا جاتا ہے اور چہلم کے دن نواسہ رسول ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوتا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ ان زائرین کی حفاظت فرمائے۔

دنیا بھر سے آئے ہوئے پاکستانی ڈاکٹرز کی زائرین کے لئے خدمت اور مرجع عالی قدر دام ظلہ سے ملاقات

دنیا کے مختلف ممالک میں بسنے والے پاکستانی ڈاکٹر بھی نواسہ رسول ﷺ کے زائرین کی خدمت کے لئے عراق کے شہر کربلا و نجف تشریف لائے اور زائرین کی طبّی خدمت کرنے کا شرف حاصل کیا۔

زائرین کی خدمت پر جانے سے پہلے یہ ڈاکٹرز مرجع عالی قدر آیت اللہ العظمیٰ شیخ بشیر حسین نجفی دام ظلہ کی خدمت میں تشریف لائے اور مرجع عالی قدر دام ظلہ سے ان کی قیمتی نصیحتوں سے استفادہ کیا اور زائرِ امام حسین علیہ السلام کی خدمت کتنا بڑا شرف ہے اس حقیقت سے بھی آشنائی حاصل کی۔

آخر پر آئے ہوئے ڈاکٹرز نے مرجع عالی قدر دام ظلہ کا قیمتی وقت دینے پر شکریہ ادا کیا۔

پاکستانی وفود کی مرجع عالی قدر دام ظلہ سے ملاقات

کراچی ، سکھر ، حیدر آباد ، دادو، لاہور ، شیخوپورہ ، سرگودھا ، میانوالی ، بھکر ، ڈیرہ ، پارہ چنار ، مظفر گڑھ اور سیالکوٹ سے آئے ہوئے وفود نے مرجع عالی قدر آیت اللہ العظمیٰ شیخ بشیر حسین نجفی دام ظلہ سے ان کے مرکزی دفتر نجف اشرف میں ملاقات کی ۔ اس ملاقات کا مقصد مرجعیت عظمیٰ کی نصیحتوں سے استفادہ کرنا تھا ۔

ان مختلف ملاقاتوں میں مرجع عالی قدر دام ظلہ نےزائرین کو بتایا کہ زیارتِ امام حسین علیہ السلام کی قبولیت کی نشانی کیا ہے اور آدابِ زیارت کیا ہیں اور پھر زیارت کے بعد انسان میں کس طرح کی تبدیلی آنی چاہیے ۔

آخر پر آئے ہوئے زائرین نے اس عزم کے ساتھ مرجع عالی قدر دام ظلہ سے رخصت چاہی کہ وہ اس چہلم کی زیارت سے صحیح معنوں میں اپنے اندر تبدیلی لائیں گے ۔

مرجع عالی قدر دام ظلہ نے ان زائرین کو دعاوں کے سائے میں رخصت فرمایا ۔

بیرونِ ممالک سے ائے ہوئے وفود کی مرجع عالی قدر دام ظلہ سے ملاقات

انڈیا ، کینیڈا ، امریکہ ، تنزانیہ ، برطانیہ ، کویت اور دبئی سے آئے ہوئے وفود نے مرجع عالی قدر آیت اللہ العظمیٰ شیخ بشیر حسین نجفی دام ظلہ سے ان کے مرکزی دفتر نجف اشرف میں ملاقات کی ۔

ان مختلف ملاقاتوں میں زائرین امام حسین علیہ السلام نےمرجع عالی قدر دام ظلہ سے استفادہ کیا ، زیارت کے بعد زندگی کیسے گزاری جائے اس حوالے سے مرجع عالی قدر دام ظلہ سے سنہری اصول حاصل کئے ۔

آخر پر مرجع عالی قدر دام ظلہ نے زائرین کی سلامتی کے لئے دعا فرمائی اور انہیں در نجف ہدیہ کے طور پر عطا کرکے رخصت فرمایا ۔

امام اور امامت کی معرفت کے ساتھ کی گئی زیارت یقینی طور پر تمام گناہوں کی معافی کا سبب ہے بشر طیکہ اس کا مکمل ارادہ یہ ہو کہ وہ زیارت کے بعد آئندہ گناہ نہیں کرے گا۔

سماحۃ آیۃ اللہ العظمیٰ المرجع الدینی الکبیر الشیخ بشیر حسین النجفی دام ظلہ الوارف

سالانہ ممبر شپ 300 روپے

مرکزی ایڈریس:

امیر المؤمنین علیہ السلام ٹرسٹ ، صدر مقام باٹا پور، نزد گیٹ نمبر 2، باٹا فیکٹری لاہور پاکستان